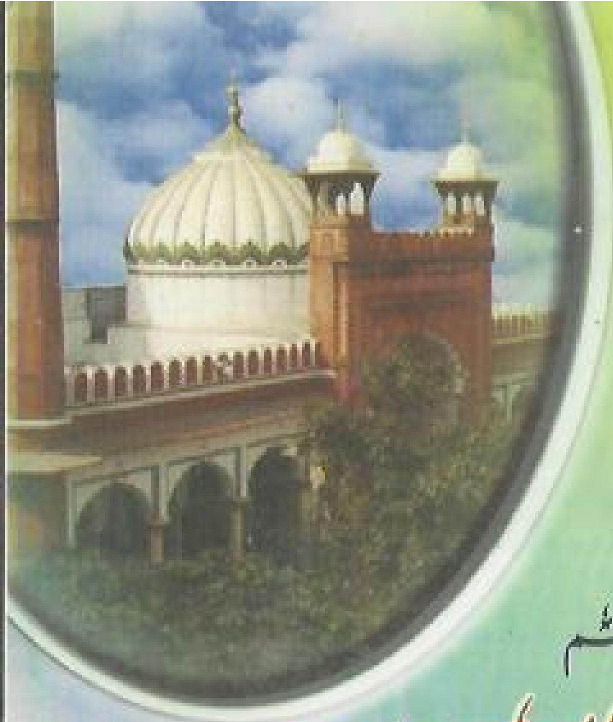


شیخ الاسلام مفتی اعظم

جامع الصفات

علامہ شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ

شاہی امام و خطیب
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

تصنیف

الحاج شیخ محمد یونس باڑی نقشبندی مجددی مظہری
ادیب فاضل، ایم اے (فارسی) دہلی یونیورسٹی، دہلی

ادارہ مظہر اسلام لاہور
اسلامی جمہوریہ پاکستان

خصوصی اشاعت
عرس مظہری
منعقدہ ذوالقعدہ ۱۴۲۹ھ/۲۸ نومبر ۲۰۰۸ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جامع الصفات

شیخ الاسلام حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ
(شاہی امام و خطیب مسجد جامع فتح پوری، دھلی)



الحاج شیخ محمد یونس باڑی نقشبندی مجددی مظہری
ادیب فاضل، ایم اے فارسی
(دھلی یونیورسٹی، دھلی)

ادارہ مظہر اسلام، لاھور
اسلامی جمہوریہ پاکستان
۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

سلسلہ مطبوعات نمبر 40

بیاد گار

شیخ الاسلام مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ
شاہی امام مسجد فتحپوری۔ دہلی

بفیضان نظر

سعادت لوح و قلم حضرت مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد قدس سرہ العزیز

نام کتاب ——— جامع الصفات حضرت مفتی اعظم
("انوار مظہریہ" کا ایک باب)

مصنف ——— الحاج محمد یونس باڑی مظہری

پروف ریڈنگ ——— محمد عبدالستار طاہر مسعودی

صفحات ——— ۷۲

تعداد ——— گیارہ سو (۱۱۰۰)

کمپوزنگ ——— الحجاز کمپوزرز، اسلام پورہ، لاہور 7152953#

سن اشاعت ——— ذیقعدہ ۱۴۲۹ھ/نومبر ۲۰۰۸ء

ہدیہ ——— ۱۰/ روپے

نوٹ:۔ بیرونی حضرات / روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال فرما کر طلب کریں

رابطہ

ادارۂ مظہر اسلام، لاہور
۳/۹۴۔ نئی آبادی مجاہد آباد، مغلپورہ، لاہور کوڈ ۵۴۸۳۰

مشمولات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	خضر راہ علم و عرفاں ——— علامہ محمد عبدالحکیم خاں اختر شاہجہان پوری	۴
۲	تقریظ ——— مجدد عصر مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	۵
۳	حیات مظہری پر ایک نظر ——— مولانا جاوید اقبال مظہری	۱۴
	تصانیف	۱۹
۴	جرأت ایمانی	۲۲
۵	اعتدال پسندی	۲۹
۶	اتباع	۳۴
۷	شفقت	۳۸
۸	پیاری دعائیں	۴۳
۹	ہیبت اور عاجزی	۴۵
۱۰	سخاوت	۵۴
۱۱	کم گوئی	۵۶
۱۲	جوامع الکلم	۵۷
۱۳	حسن کلام	۵۸
۱۴	معمولات مبارکہ	۶۰
۱۵	دنیا سے بے رغبتی	۶۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خضر راہ

خسرو ملک خطابت، مبلغ ہندوستان
خضر راہ علم و عرفاں، رہنمائے عارفاں

حضرت مسعود ہی تھے جو مقدس یادگار
فخر ملت، فخر دیں، سرمایۂ اہل جہاں

نائب شیخ مجدد، وارث علم نبی
وہ امام اہلسنت، شیخ کل، قطب زماں

واقف علم شریعت، عارف راز خفی
تھے علوم معرفت کے ایک بحر بے کراں

خوش خیال وخوش خصال وخوش مقال وخوش جمال
مصطفیٰ کا عشق ہی تھا آپ کی روح رواں

دشمنان مصطفیٰ سے وہ کنارہ کش رہے
دین برحق کے ادھر ہر دم رہے وہ پاسباں

ترجمان اہلسنت کون ہے ان کی طرح
دور حاضر میں یقیناً آپ تھے حق کا نشاں

اس قدر مقبولیت پائی مرے سرکار نے
دوست اور دشمن ہیں سب تعریف میں رطب اللساں

آپ کے ہاتھوں پہ توبہ کفر سے لاکھوں نے کی
ناریوں کو کر دکھایا عازم سوئے جناں

فتنۂ گاندھی ہو یا تحریک شدھی سنگھٹن
ان پہ گرتے ہی رہے وہ صورت برق تپاں

پائے استقلال حضرت میں نہ لغزش آ سکی
سخت سے بھی سخت تر آتے رہے پیش امتحاں

وقت آزادی ہوا بھارت میں جب خونی فساد
آپ اس دم عزم کا ثابت ہوئے کوہ گراں

تھے نئے طیب پاتے نقشبندی جام سے
شیخ سرہندی کے میخانے میں مثل خواجگاں

یاالٰہی وہ غلام مظہر اللہ کر مجھے
مرشد برحق رہے ہر وقت مجھ پہ مہرباں

قافلہ تو سوئے منزل جا رہا ہے دم بدم
وائے اختر ہے نہاں ہم سے امیر کارواں

نتیجۂ فکر: حضرت علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری مظہری علیہ الرحمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

تقریظ

مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
ایم۔اے گولڈ میڈلسٹ پی۔ایچ۔ڈی۔اعزازفضیلت

ان کی آنکھیں دیکھتی ہیں، ان کی زبان دیکھتی ہے، ان کے کان دیکھتے ہیں، ان کے پیر دیکھتے ہیں، ان کے خیال دیکھتے ہیں، ان کے احوال دیکھتے ہیں، جب ہی تو وہی دیکھتے ہیں جس کو دیکھنے کا حکم ہے، وہی بولتے ہیں جس کے بولنے کا حکم ہے، وہی سنتے ہیں جس کے سننے کا حکم ہے، وہی چھوتے ہیں، جس کے چھونے کی اجازت ہے، وہی سوچتے ہیں جس کے سوچنے کی اجازت ہے، ان ہی واردات سے گزرتے ہیں، جن واردات سے گزارا جاتا ہے، ان ہی فضاؤں میں پرواز کرتے ہیں جن فضاؤں میں پرواز کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ ان کے ظاہری اور باطنی احوال اور اقوال و اعمال شریعت کے تابع ہیں وہ سراپا آنکھ ہی آنکھ ہیں۔ وہ روشنی ہی روشنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ذرا سرتابی نہیں کرتے۔ ہماری آنکھ بھی آنکھ نہیں، جب آنکھ کا یہ حال ہے تو ہاتھ پیر اور خیال و افعال کا کیا حال ہوگا، اسی لیے فرمایا:

وکونوا مع الصادقین ﴿اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ﴾

تم نے بننا سنورنا ہے تو ان کے ساتھ ہو جاؤ، یہ تم کو بنا دیں گے، یہ تم کو سنوار دیں گے، یہ تم کو زندگی کے لطف سے آشنا کر دیں گے۔ یہ بد مزا زندگی کو لطیف و لذیذ بنا دیں گے۔ یہ زندگی کا راز بنا دیں گے کہ محرم راز ہیں۔ آؤ آؤ زندگی کے پاس بیٹھو۔ موت کی طرف جانے والو۔ زندگی کی طرف لوٹو!



ان ہی ہستیوں میں، ان ہی زندگی بنانے والوں میں، ان ہی زندگی سنوارنے والوں میں، فاضل جلیل، عارف کامل، حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ (م ۱۳۸٦ھ/ ۱۹٦٦ء) شاہی امام مسجد جامع فتح پوری، دہلی بھی تھے، وہ میرے والد ماجد تھے، وہ میرے استاذ گرامی تھے، وہ میرے مرشد کریم تھے۔ انہوں نے میرے جسم کی پرورش کی، میرے دل کو سنوارا، میری روح کو نکھارا۔ وہ ایسے مخلص باپ تھے جنہوں نے بیٹوں سے کچھ نہ چاہا، ایسے مشفق استاد تھے، شاگردوں سے کچھ نہ چاہا، ایسے مہربان مرشد تھے کہ مریدوں سے کچھ نہ چاہا۔ وہ جانتے تھے کہ باپ وہ ہے جو بیٹوں کو دے، استاد وہ ہے جو شاگردوں کو عطا کرے، مرشد وہ ہے جو مریدوں کو نوازے۔



حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ایک مرید باصفا نے "جلاء الخواطر" کے نام سے آپ کے خاص ملفوظات جمع کیے ہیں۔ [1] یہ ملفوظات پڑھ رہا تھا۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے ان ملفوظات میں اللہ کے محبوبوں کے فضائل و خصائل کا ذکر فرمایا ہے، پڑھ پڑھ کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے فضائل و خصائل کا مطالعہ کر رہا ہوں، ایک

[1] یہ ملفوظات ۸۵٦ بن پہلے ۹ رجب المرجب ۵۴٦ ہجری اور ۱۴ رمضان المبارک ۵۴٦ ہجری کے درمیان منعقد ہونے والی وعظ و نصیحت کی مجلسوں میں لفظاً لفظاً قلمبند کیے گئے۔ اس کے عربی متن کے قلمی نسخے کا عکس مکتبہ نبویہ لاہور نے شائع کیا ہے جو قابل مطالعہ ہے۔ مسعود

ایک بول دل پر اثر کرنے والا، ایک ایک بات من میں گھر کرنے والی۔ چند ملفوظات پیش کرتا ہوں، ان میں کوئی بات ایسی نہیں جو حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی سیرت پاک میں نہ پائی جاتی ہو، یہ باتیں ایسی ہیں جو سنانی چاہئیں اور سنی چاہئیں، ان باتوں سے انسان بنتے اور سنورتے ہیں۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

1. مومن کے لیے ایک مخصوص نور ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔ (جلاء الخواطر ص ۱۱)
2. سر کی آنکھ دنیا میں مست رہتی ہے، دل کی آنکھ آخرت میں مست رہتی ہے، سِر اور روح کی آنکھ اللہ تعالیٰ کی معیت میں مست رہتی ہے۔ (جلاء الخواطر ص ۹۴)
3. اپنے نفس کی آنکھ کھول اور اس سے کہہ کہ اپنے عزت و جلال والے پروردگار کو تو دیکھ تجھے کیسے دیکھ رہا ہے۔ (جلاء الخواطر ص ۴۷)
4. شرم کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی خلوتوں اور جلوتوں میں اپنے عزت و جلال والے پروردگار سے شرم کرو تاکہ خالق سے حیا، مخلوق کی حیاء کے تابع ہو جائے۔ (جلاء الخواطر ص)
5. ہر مرض کی دوا توجہ الی اللہ اور دنیا کی محبت سے پیٹھ پھیرنے میں ہے۔ (جلاء الخواطر ص ۴۷)
6. زُہد اور دنیا سے بے رغبتی زاہدوں اور فرمانبردار بندوں کے دل کا چین ہے۔ (جلاء الخواطر ص ۴۲)
7. اے اللہ کے بندو! اپنی عادت و خصلت کے خانوں سے نکلو۔ (جلاء الخواطر ص ۴۷)
8. مرید توبہ کے سایہ میں قائم رہتا ہے مگر مراد اللہ کی عنایت کے سایہ میں قائم ہوتا ہے۔ (جلاء الخواطر ص ۳۰)

ان ملفوظات کی روشنی میں جب ہم حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی سیرت پاک کا مطالعہ کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک نور عطا فرمایا تھا جس کی روشنی میں وہ دیکھتے تھے۔ ان کی نظر صرف اور صرف اللہ پر تھی۔ وہ سمجھتے تھے اسی کو دیکھا جائے جو ہم کو دیکھ رہا ہے۔ وہ اللہ کے بندوں کے سامنے شرمائے شرمائے رہتے تھے۔ ان کی یہ حیاء اللہ سے شرم وحیاء کے تابع تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ سارے دکھوں کا علاج توجہ الی اللہ اور دنیا کی محبت سے پیٹھ پھیرنے میں ہے۔ وہ اپنے عادات کے خانوں سے نکل کر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سے مزین تھے۔ وہ ابتداء میں مرید تھے لیکن پھر مراد ہو گئے اور اللہ کی عنایت کے سایہ میں جینے لگے۔



حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے دنیا میں بے نیازانہ زندگی گزاری۔ اس کریم کے خیال میں ایسے گم کہ این وآں سے بے خبر۔

از خیال خویشتن بے خویش شو بیگانہ باش
در خیال حضرت جانانہ شو، جانانہ باش

جب تزکیہ نفس ہو جائے تو انسان بیدار ہو جاتا ہے، ہوشیار ہو جاتا ہے، سونے والوں کو جو باتیں اچھی لگتی ہیں، جاگنے والوں کو وہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ وہ دہلی میں تھے ان کا شہرہ عرب وعجم میں تھا۔ ان کے تزکیہ نفس کی باتیں صوبہ سرحد (پاکستان) کے شعراء بھی اپنے کلام میں باندھنے لگے، نور سرحدی کا یہ قطعہ ملاحظہ ہو:

مظہر اللہ ، مظہر نور خدا
نسبت صدیق کا تھا وہ امین و مقتدا
تزکیہ کا تھا شغل ان کا اور فقہ دین بھی
ہند کا مفتی تھا وہ اور اصفیاء کا رہنما

تزکیہ پر چھائی اُن کے جانے سے خزاں
لوٹ کر آئی نہ فقہ پر بہار جاں فزا

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا ظاہر وباطن ایک تھا، جس کا بخوبی اندازہ آپ کے نجی خطوط سے ہوتا ہے (جس کی ایک ضخیم جلد ۱۹۹۹ء میں کراچی سے شائع ہو چکی ہے)۔ آپ کی صحبت میں بیٹھنے والا سکون پاتا تھا۔ آپ کے خطوط کو پڑھنے والا بھی وہی سکون پاتا ہے اور بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے:

فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ

فتویٰ نویسی میں آپ اپنے معاصرین میں نہایت ممتاز تھے، آپ کے فتوے کسی وکیل کی تحریر معلوم نہیں ہوتے بلکہ کسی جج کا فیصلہ معلوم ہوتے ہیں۔ آپ نے کبھی کسی کی وکالت نہیں کی۔ ساری زندگی عدالت ہی عدالت کی۔ مدعی اور مدعا علیہ میں سے نہ کسی کی تعظیم وتوقیر کی اور نہ کسی کی تذلیل وتحقیر کیونکہ یہ بات مقام عدل کے منافی ہے۔



حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی زندگی ہی میں ۱۹۶۲ء میں راقم نے سوانح لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا اور آپ سے حالات دریافت کیے تو آپ نے ازراہ انکسار منع فرمادیا لیکن دعاؤں سے نوازا۔ پھر تائید الٰہی سے راقم نے ایک ضخیم سوانح "تذکرہ مظہر مسعود" (مطبوعہ، کراچی ۱۹۶۹ء) قلم بند کی۔

اس زمانے میں علماء اہلسنت وجماعت کے حالات پر کوئی قابل ذکر کتاب مارکیٹ میں نہیں آئی تھی۔ اس لیے ان کا خاطر خواہ ذکر نہ ہو سکا۔ جس کا قلق ہے اسکے علاوہ بھی اور باتیں ہیں جو جدید ماحول کے اثرات کے تحت لکھ دی گئیں۔ ان شاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں ساری کمی پوری کردی جائے گی۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد حضرت مفتی

[1] مکتوب قاضی عبدالحمید فضلی، مورخہ ۱۲ جون ۱۹۸۳ء از شیر گڑھ

اعظم علیہ الرحمہ کے حالات اخبارات و رسائل میں ملتے گئے اور محبین و مریدین سے معلوم ہوتے گئے ان کو آئندہ شائع ہونے والی کتابوں میں شائع کرتا گیا مثلاً:

❶ تجلیات مظہری (مطبوعہ، کراچی ۱۹۳۹ء)
❷ مواعظ مظہری (مطبوعہ، کراچی ۱۹۳۹ء)
❸ حیات مظہری (مطبوعہ، کراچی ۱۹۷۰ء)
❹ فتاویٰ مظہری (مطبوعہ، کراچی ۱۹۷۰ء)
❺ مکاتیب مظہری (ج: اول، دوم، مطبوعہ، کراچی ۱۹۷۰ء)
❻ فتاویٰ مسعودی (مطبوعہ، کراچی ۱۹۸۷ء)
❼ شیخ الاسلام (مطبوعہ، کراچی ۱۹۹۳ء)
❽ حیات فقیہ الہند (مطبوعہ، کراچی ۱۹۹۶ء)

راقم کے علاوہ حضرت مفتی اعظم کے مرید خاص مولانا جاوید اقبال مظہری نے لکھنا شروع کیا تو وہ بھی لکھتے چلے گئے۔ ان کی چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

❶ ملفوظات مظہری مطبوعہ کراچی
❷ خلق مظہری مطبوعہ کراچی
❸ آفتاب ہدایت مطبوعہ کراچی
❹ مناقب مظہری مطبوعہ کراچی
❺ عارف کامل مطبوعہ کراچی
❻ مظہر جمال مصطفیٰ ﷺ مطبوعہ کراچی

○

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی زندگی اللہ کے بندوں کے لیے نمونہ تھی، وہ ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے، جب بدایوں، بریلی اور فرنگی محل وغیرہ میں چراغ

روشن تھے، دہلی میں بھی اُن کے اجداد کے دم سے چراغ روشن تھے۔ ان کی زندگی منظم و مربوط تھی جیسے موتی کی لڑی۔ صبح سے شام اور شام سے صبح تک ایک ایک گھڑی کا حساب رکھتے تھے، وقت کو بے دریغ خرچ نہیں کرتے تھے کہ یہ بڑی دولت ہے، جس نے وقت کی قدر کی وقت نے اس کی قدر کی۔ ان کا طریقہ تعلیم و تربیت بھی بڑا نرالا تھا۔ نظروں سے تربیت فرمائی، اقبال نے اس راز سے یوں پردہ اٹھایا ہے:

تجھے یاد کیا نہیں ہے میرے دل کا وہ زمانہ
وہ ادب گہ محبت وہ نگہ کا تازیانہ

جدید تہذیب و تمدن نے قدیم قدروں کو برباد کر کے رکھ دیا۔ آدمیوں کو جانوروں سے قریب کر دیا۔ انسان سے دور کر دیا:

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

○

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا دل و دماغ خانقاہی عصبیتوں سے پاک صاف تھا، ہر سلسلے کے علماء و مشائخ تشریف لاتے، سلسلہ قادریہ، سلسلہ چشتیہ، سلسلہ سہروردیہ، سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ اور سلسلہ وارثیہ وغیرہ۔ علماء اہل سنت میں بدایوں، سنبھل، میرٹھ، مارہرہ شریف، کچھوچھہ شریف، بریلی شریف، مرادآباد اور فرنگی محل وغیرہ کے سنی مراکز کے علماء اہلسنت حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی خدمت میں تشریف لاتے تھے، مسجد فتح پوری، دہلی علماء اہلسنت کا ایک عظیم مرکز تھا اور ہے۔ اب حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے پوتے علامہ ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد زید مجدہٗ آپ کی مسند پر رونق افروز ہیں۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے ہمیشہ اپنا دروازہ اللہ کی مخلوق کے لیے کھولے رکھا اور سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عمل کیا، آخر وقت تک اللہ کے بندوں کو محروم نہ رکھا۔ تدریجی اور

صحت کے زمانے میں ملاقات کے لیے کافی وقت عطا فرماتے مگر ضعیفی اور بیماری کے زمانے میں عصر سے مغرب تک کا وقت ملاقات کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی پاک زندگی ہم سب کے لیے نمونہ تھی اور نمونہ ہے۔



جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا گیا حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ پر متعدد سوانح لکھی جا چکی ہیں۔ ''انوار مظہریہ'' ان سوانح میں ایک اہم اضافہ ہے۔ سوانح نگار محترم الحاج محمد یونس باڑی مظہری زیدہ مجدہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے مرید خاص ہیں اور تقریباً ۱۴، ۱۵ برس تک آپ کی صحبت سے مستفید ہوتے رہے، یہ اسی صحبت کی برکت ہے کہ موصوف کے صاحبزادے عزیزم الحاج محمد اطہر باڑی مسعودی خاندان مظہریہ میں نسبت فرزندی اور نسبت روحانی میں منسلک ہو گئے، فقیر کی صاحبزادی اُن سے منسوب ہیں۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے ان کی ولادت سے بہت پہلے فرمایا تھا کہ ''اب جو بیٹا ہوگا وہ ہمارا ہوگا۔'' الحمدللہ! جناب محمد یونس باڑی صاحب کے ہاں بیٹا ہوا اور جو کچھ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا وہ ہو کر رہا۔ داماد بھی بیٹا ہی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے اور محبوبوں کو پسندیدہ کام میں لگا دیتے ہیں اور جو محبوب نہیں ہوتے وہ ناپسندیدہ کاموں میں لگ جاتے ہیں۔ محبوب اور غیر محبوب کا یہی امتیاز ہے، حاجی محمد یونس باڑی مظہری زید مجدہ کی یہ خوش بختی و خوش نصیبی ہے کہ وہ گزشتہ دس بارہ برسوں سے اللہ کے ایک محبوب کی سوانح نگاری میں مصروف رہے اور جس منزل کی تلاش میں وہ نکلے تھے وہ منزل پالی۔ اللہ کا شکر و احسان ہے۔ سوانح نگاری کا ایک روایتی طریقہ ہے مگر حاجی محمد یونس باڑی صاحب نے معروف روایت سے ہٹ کر اپنی روایت قائم کی ہے جو زیادہ دلچسپ و دلکش معلوم ہوتی ہے۔ حاجی محمد یونس باڑی صاحب دہلی یونیورسٹی سے فارسی میں ایم۔ اے ہیں، نفیس طبیعت کے مالک ہیں، سخن سنج و سخن شناس ہیں، ان کو بات کرنے

اور لکھنے کا ڈھنگ آتا ہے، ان کی تحریر ظاہری و باطنی حسن سے مالا مال ہوتی ہے۔ ہر سطر سلک مروارید اور ہر لفظ نافہ آہو، دیکھ کر آنکھوں کو سرور ملتا ہے اور دل کو نور و حضور۔ ''انوار مظہریہ'' دس بارہ سال سے زیر تدوین تھی مگر اس کا منصۂ شہود پر آنا جوئے شیر لانا ہو گیا۔ فاضل سوانح نگار ضعیف و بیمار بھی ہو گئے، عارضہ قلب اور آنکھوں میں موتیا، کام کرنا دوبھر ہو گیا، اسی حالت میں کمپوزنگ بھی شروع کرا دی مگر تصحیح کرنا مشکل ہو گیا۔ اس سلسلے میں عزیزم ڈاکٹر سید عدنان خورشید مسعودی اور اُن کی بہنوں، حنا مسعودی اور صبا مسعودی نے بڑی محنت کی اور یہ کتاب کمپوزنگ کے مرحلوں سے نکل کر طباعت کے مرحلوں میں داخل ہوئی۔ کمپوزنگ میں برادرم سید شعیب افتخار مسعودی نے بہت جاں کاہی اور جاں فشانی کی، اللہ تعالیٰ اس کا اجر عطا فرمائے، آمین۔ وہ کریم محترم حاجی محمد یونس باڑی مظہری کو ان کی شب و روز محنت، اخلاص و محبت، ایثار و قربانی کا اجر عظیم عطا فرمائے اور ''انوار مظہریہ'' کو ان کے اور ان کے خاندان کے لیے ذخیرۂ آخرت فرمائے، آمین!

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی متعدد سوانح شائع ہو چکی ہیں مگر زبان و بیان اور مواد کے اعتبار سے ''انوار مظہریہ'' کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے، ایسی لطافت زبان و بیان کے ساتھ سوانح بہت کم لکھی گئی ہیں۔ سوانح صرف تاریخ نہیں اس میں تاثیر کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے تا کہ سنورے ہوئے انسانوں کی سوانح پڑھنے والا سنور جائے اور واقعات اور حالات اثر انداز ہو کر دل و دماغ پر ثبت ہو جائیں۔ اچھے انسان ہی انسانوں کو بناتے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ ''انوار مظہریہ'' کو ہم سب کے لئے چراغ راہ بنائے اور ہم اس کی روشنی میں منزل مراد تک پہنچ کر کامیاب و کامران ہوں۔ آمین بجاہ سید المرسلین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وازواجہ وصحبہ وسلم۔

احقر: **محمد مسعود احمد** عفی عنہ
کراچی (اسلامی جمہوریہ پاکستان)

۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
۱۸ جولائی ۲۰۰۱ء

حیاتِ مظہری پر ایک نظر

حضرت مولانا جاوید اقبال مظہری

شیخ الاسلام مفتی اعظم حضرت شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی علیہ الرحمہ پاک و ہند کے جلیل القدر عالم و عارف تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۵ر رجب المرجب ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۶ء کو دہلی میں ہوئی۔ علمائے عصر سے تحصیل علوم عقلیہ و نقلیہ فرمائی۔ تقریباً ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء میں صاحب ''تفسیر صادقی'' حضرت سید صادق علی شاہ مکان شریفی علیہ الرحمہ (م۔ ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء) سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہوئے۔ حضرت ممدوح کو سند حدیث مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے جد امجد صاحب ''فتاویٰ مسعودی'' حضرت فقیہ الہند شاہ محمد مسعود محدث دہلوی علیہ الرحمہ (م۔ ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۲ء) سے حاصل تھی اور سند اجازت و خلافت اپنے والد ماجد صاحب ''مرأۃ المحققین'' حضرت سید امام علی شاہ مکان شریفی علیہ الرحمہ (م۔ ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۶ء) سے۔ آپ جس پر لطف کی نظر فرما دیتے اس کو ماسوا اللہ سے بے نیاز کر دیتے۔ حضرت سید امام علی شاہ علیہ الرحمہ نے آپ کو اس خصوصی دعا سے نوازا:

''جو لوگ تمہارے دامن سے وابستہ ہوں ہمیشہ مقبول و مسرور ہوں۔''

حضرت مفتی اعظم کی مقبولیت و مرجعیت اسی دعا کی اجابت کی کرامت تھی۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو صاحب ''رسالہ رکن الدین'' حضرت شاہ رکن الدین الوری علیہ الرحمہ (م۔ ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء) سے چاروں سلسلوں میں اجازت و خلافت حاصل تھی، حضرت موصوف بڑے پائے کے بزرگ تھے۔ آپ کے فیضان نظر سے سینکڑوں کفار و مشرکین مشرف باسلام ہوئے۔ موصوف ہی کے صاحبزادے اور جانشین حضرت علامہ مفتی محمد محمود الوری علیہ الرحمہ (م۔ ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء) سے حضرت مولانا پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب ابن مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں اجازت و خلافت حاصل ہے۔

حضرت مفتی اعظم کے جد امجد حضرت فقیہ الہند مفتی محمد مسعود شاہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ جلیل القدر عالم و مفتی، عظیم المرتبت عارف و سجادہ نشین اور مسجد جامع فتح پوری دہلی کے شاہی امام و خطیب تھے۔ ان تینوں منصبوں پر حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نصف صدی سے زیادہ عرصے فائز رہے اور مخلوق الٰہی آپ کے علمی و روحانی فیض سے بہرہ ور ہوتی رہی۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی تقویٰ شعاری اور حق گوئی کے موافق و مخالف سب قائل تھے آپ نے ہمیشہ عزیمت پر عمل فرمایا۔ آپ اہل سنت کے عظیم پیشوا تھے۔ علماء و مشائخ اہل سنت آپ کی خدمت میں عقیدت مندانہ حاضر ہوتے تھے۔ آپ کی ذات گرامی سیرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ تھی۔

- نماز میں حضوری قلب اور محویت کا عالم تھا کہ تیں پینتیس سال کے عرصے میں کبھی نماز با جماعت کی امامت کرتے ہوئے سجدہ سہو نہیں فرمایا۔
- چودہ برس سے وصال تک تقریباً ستر برس نماز تہجد ادا فرمائی۔
- عمر شریف کے آخری حصہ میں جبکہ سن شریف اسّی سال سے متجاوز تھا، رمضان المبارک کے نہ صرف پورے روزے رکھے بلکہ نماز تراویح کھڑے ہو کر ادا فرماتے تھے۔

○ — حضرت علیہ الرحمہ کے یومیہ معمولات کا آغاز تہجد سے ہوتا تھا اور اختتام نماز عشاء کے بعد کتابوں کے مطالعہ کے ساتھ ہوتا تھا۔ گویا کوئی لمحہ اپنے مولا کی یاد سے خالی نہیں ہوتا تھا۔

○ — حضرت مفتی اعظم کی بے شمار کرامتیں منظر عام پر آئیں لیکن آپ کی سب سے بڑی کرامت اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔ ع

کافی ہے بس اک نسبت سلطان مدینہ

○ — حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ اپنے مریدین ومعتقدین کی تربیت کا خاص خیال فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

''جو کام کرو محض اللہ کے لئے کرو تو تمہارا کھانا پینا، بیوی بچوں کے ساتھ مشغول سب ثواب ہی ثواب ہوگی، گناہ کا اس میں شائبہ بھی نہ ہوگا۔''

○ — حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ صاحب انفاس تھے آپ نے دعا فرمائی:

درد فرقت میں ترے اس زندگی کی شام ہو

موت جب آئے تو صبح وصل کا پیغام ہو

آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور آپ نے ۱۴؍شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ/ مطابق ۲۸؍ نومبر ۱۹۶۶ء کی شام دہلی میں وصال فرمایا اور مسجد فتح پوری، دہلی کے صحن میں آپ کو رکھا گیا جہاں آپ کا مزار مبارک مرجع خلائق ہے۔ آج کل آپ کی مسند پر آپ کے پوتے علامہ ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد صاحب رونق افروز ہیں۔ موصوف کو دوسرے مشائخ کے علاوہ حضرت مولانا پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب (م۔ ۲۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ/ ۲۸؍اپریل ۲۰۰۸ء) سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں اجازت وخلافت حاصل ہے۔

حضرت مفتی اعظم کی علمی یادگار میں ترجمہ قرآن کریم اور ''فتاویٰ مظہری'' سرفہرست ہیں۔ آپ کے مندرجہ ذیل صاحب زادگان ہیں:

1. حضرت علامہ مفتی مظفر احمد صاحب علیہ الرحمہ (کراچی) (م۔ ۱۹۷۰ء)
2. حضرت علامہ مفتی مشرف احمد صاحب علیہ الرحمہ (دہلی) (م۔ ۱۹۸۱ء)
3. حضرت مولانا محمد احمد صاحب علیہ الرحمہ (دہلی) (م۔ ۱۹۷۰ء)
4. حضرت مولانا منور احمد صاحب علیہ الرحمہ (دہلی) (م۔ ۱۹۴۳ء)
5. حضرت مولانا منظور احمد صاحب علیہ الرحمہ (حیدرآباد، سندھ) (م ۱۹۳۹ء)
6. حضرت مولانا ڈاکٹر محمد سعید احمد صاحب علیہ الرحمہ (دہلی) (م۔ ۱۹۹۶ء)
7. حضرت مولانا پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب علیہ الرحمہ (کراچی) (م۔ ۲۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ/ ۲۸؍اپریل ۲۰۰۸ء)

مجدد عصر مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب علیہ الرحمہ شیخ الاسلام مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کے خلیفہ اعظم ہیں۔ آپ اپنے والد کریم اور مرشد کریم کی دعاؤں کا مظہر ہیں۔ اپنے تمام عالم فاضل بھائیوں کے جامع الصفات وجامع الکمالات ہیں۔ پاکستان میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا فیض آپ کے ذریعے جاری وساری ہے۔ آپ کے دین حقہ کی ترویج واشاعت کے لئے عالمی سطح پر خدمات کے اعتراف میں اہل بصیرت نے آپ کو رواں صدی (پندرہویں) کا مجدد قرار دیا۔ آپ بکثرت کتابوں کے مصنف ومؤلف ہیں۔ خصوصاً سلسلہ عالیہ مظہریہ کی تمام تصانیف آپ کے قلم معجز رقم کی مرہون منت ہیں۔

یہ آپ کے والد ماجد اور پیر طریقت حضرت مفتی اعظم قدس سرہ العزیز کی دعاؤں کا صدقہ ہے کہ آپ نے مجدد اعظم حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کی سیرت پر ''سیرت حضرت مجدد الف ثانی'' تالیف فرمائی۔ بعد ازاں ۲۰۰۵ء میں امام ربانی فاؤنڈیشن انٹرنیشنل، کراچی کی سرپرستی فرماتے ہوئے چودہ ضخیم جلدوں میں مایہ ناز انسائیکلوپیڈیا ''جہان امام ربانی مجدد الف ثانی'' مرتب فرما کر شائع فرمایا۔

اپنے جد امجد حضرت فقیہ الہند شاہ محمد مسعود محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے فتاویٰ ''فتاویٰ مسعودی'' کو مرتب فرمایا جو کراچی سے شائع ہو چکے ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ صاحب انفاس تھے، آپ نے اپنے فرزند دل بند کو جن دعاؤں سے نوازا، بفضلہ تعالیٰ وہ پوری ہوئیں۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ مکتوبات شریف میں ارشاد فرماتے ہیں:

❶ مولیٰ تعالیٰ تم سے میری آنکھیں ٹھنڈی رکھے اور مخلوق کو تمہاری دینی خدمت سے بہرہ ور کرے۔ (۱۹۳۹ء)

❷ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ المولیٰ القوی کے حالات پر مقالہ تحریر کرنا مبارک ہو۔

❸ مولیٰ تعالیٰ تمہیں تمہارے جد امجد کا مظہر بنائے (۱۱/مئی ۱۹۶۱ء)

❹ اعلیٰ حضرت (فقیہ الہند شاہ محمد مسعود قدس سرہٗ) کے حالات لکھنا تم کو اہل بواطن کو مبارک ہو۔ (۳۰/مارچ ۱۹۶۶ء)

❺ مجھے اُمید ہے کہ اپنے بھائیوں سے سبقت لے جاؤ گے اور اپنے اجداد کا نمونہ ثابت ہو گے۔ (۲۵/فروری ۱۹۵۳ء)

الحمدللہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا علمی اور روحانی فیض ان کے علمی آثار، اولادِ امجاد اور خلفاء کے ذریعے آج بھی جاری و ساری ہے جو پاک و ہند میں پھیلے ہوئے ہیں بلکہ وہ تو بالواسطہ بھی فیض رساں ہیں۔

مولیٰ تعالیٰ ان کے روحانی و علمی فیوض و برکات سے ہم سب کو مستفیض فرمائے اور متبع سنت بنائے۔ آمین!

عشق ایسا دے مجھے حضرت رسول اللہ سے
اُن کی ہر سنت پہ مٹ جاؤں پھروں بدراہ سے

(محمد مظہر اللہ)

تصانیف

❶ ارکانِ دین، مطبوعہ ہلالی پریس، دہلی ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء

❷ مظہر الاخلاق، مطبوعہ ہلالی پریس، دہلی ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء

❸ مظہر العقائد، مطبوعہ ہلالی پریس، دہلی ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء

❹ کشف الحجاب مسئلۃ الغناء والقباب مطبوعہ جنید برقی پریس، دہلی (تالیف ۱۰/صفر المظفر ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء)

❺ تحقیق الحق، مطبوعہ اعلیٰ پریس، دہلی ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء (کراچی ۲۰۰۰ء)

❻ رسالہ در علم توقیت مولفہ ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء (قلمی)

❼ موجودہ مصائب کا واحد علاج، مطبوعہ جنید برقی پریس، دہلی ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء

❽ خزینۃ الخیرات، مطبوعہ اعلیٰ پریس، دہلی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۷ء

❾ اتقاء المحال فی رویۃ الہلال، مطبوعہ جنید برقی پریس، دہلی (مصنفہ ۲۶/ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ/۱۹۵۰ء)

❿ فتویٰ رویت ہلال، مطبوعہ جنید برقی پریس، دہلی ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۹ء

⓫ قصد السبیل، مطبوعہ اعلیٰ پریس، دہلی ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء

⓬ شجرۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مطبوعہ امپیریل پریس، دہلی (کراچی ۱۹۹۹ء)

اس کے علاوہ آپ کے قابل فخر صاحبزادے حضرت مولانا پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے آپ پر جو کتابیں لکھی ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

❶ مظہر الاخلاق، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۸ء

❷ ارکانِ دین، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء

❸ مکاتیب مظہری، جلد اول مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء، جلد اول و دوم، کراچی ۱۹۹۹ء

❹ مواعظ مظہری، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء[1]

❺ تذکرہ مظہر مسعود، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء

❻ فتاویٰ مظہری، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۰ء

❼ حیات مظہری، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۴ء

❽ مظہر العقائد، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۶ء (کراچی ۱۹۹۶ء)

❾ شجرۂ طیبہ، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۲ء

---

❶ ادارہ مظہر اسلام، لاہور نے یہ مواعظ الگ الگ کتابی صورت میں شائع کیے ہیں۔ مظہری)

جامع الصفات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جرأت ایمانی

الاان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۷۲ نفوس تھے جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ میدانِ کربلا میں چاروں طرف یزید کا لشکر جرار ان کو گھیرے ہوئے تھا مگر امام عالی مقام رضی اللہ عنہ پر خوف کا شائبہ بھی نہ تھا وہ اس آیہ کریمہ کی تفسیر تھے۔ بے شک اللہ والوں کی پہچان یہی ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور کسی سے نہیں ڈرتے، خوف، لالچ، مایوسی اُن کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔

۱۹۴۷ء میں برصغیر پاک و ہند برطانوی تسلط سے آزاد ہوئے۔ اعلانِ آزادی ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کے فوراً بعد دارالخلافہ دہلی کے اطراف میں ہندو اکثریتی علاقوں میں مسلمان اقلیت پر مظالم کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا، اُن کی املاک لوٹی جارہی تھیں۔ بے سروسامان ہوکر کچھ براہ راست پاکستان جارہے تھے، کچھ دہلی میں پناہ کے لئے آرہے تھے۔ اچانک دہلی میں کہرام مچ گیا۔ دہلی کے علاقہ پہاڑ گنج میں مسلمانوں کی گنجان آبادی تھی۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ بے خبر مسلمانوں کے خلاف کیا منصوبہ بن رہا ہے۔ جگہ جگہ مسلمانوں کے گھر جلنے لگے۔ جو گھبرا کر گھر سے نکلے اُن پر خنجر چلنے لگے۔ املاک تباہ کی جارہی تھیں۔ لوٹ مار اور قتل و غارتگری کا بازار گرم تھا۔ پناہ کی تلاش میں مسلمان نکل پڑے۔ راستہ بھر سفاک درندہ صفت سکھ اور ہندو پیچھا کرتے رہے۔ عجب بھیانک منظر تھا۔ ایک یہاں تڑپ رہا ہے، دو وہاں ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں۔ عورتوں

کے کان کا زیور دیکھا، مانگنے کی کیا ضرورت، خنجر سے کان ہی کاٹ لیا، ہاتھوں کو چوڑیاں اُتارنے کی مہلت کیوں دیں، تلوار ماری ہاتھ کٹ گیا اور چوڑیاں گر گئیں، جوان خوبصورت لڑکیاں چھین کر مالِ غنیمت کی طرح ڈھیر لگ رہے تھے۔ معصوم شیر خواروں کو ماں کی گود سے چھین کر اُچھال دیا جاتا، جابجا آگ جل رہی ہے۔ زندہ بچوں، بوڑھوں کو آگ میں پھینک دیا جاتا۔ خون آلود تلواریں لہرا رہی تھیں جنہیں دیکھ کر چکر آرہے تھے۔ قافلہ بڑھ رہا تھا۔ اطلاع ملی فوراً فتح پوری مسجد کے دروازے کھول دیئے گئے، حضرت علیہ الرحمہ بہ نفسِ نفیس مجاہدوں کی طرح اُن کو سنبھالنے میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔ غذا، دوا، مرہم پٹی۔ خون آلود لباس کے بدلے لباس، عورتوں کو اوڑھنے کے لئے چادریں غرض یہ کہ ہر ضرورت پوری کی جارہی تھی۔ نہ کسی سے چندہ طلب کیا نہ امداد کی اپیل کی گئی، سارا خرچ حضرت علیہ الرحمہ فرمارہے تھے۔ کسی کو دیتے نہ دیکھا، کوئی دیکھنے والا نظر نہ آیا:

جھولیاں بھردی جاتی ہیں   دینے والا نظر نہیں آتا

حضرت علیہ الرحمہ مستقل ان مسلمانوں کی تیمارداری، مہمانداری اور دلداری میں لگے رہتے اپنے آرام کو بھول گئے تھے۔

جمعہ ۵/ستمبر ۱۹۴۷ء کو مسجد میں پہلا بم پھٹا۔ بھگدڑ مچی، مگر کہاں جاتے، دروازے پر لشکر کفار ہتھیاروں سے لیس اور اندر نمازی سب نہتے۔ نمازی اللہ تعالیٰ کے حضور سراپا عجز بن کر حاضر ہوتا ہے ہتھیار کے ساتھ نہیں آتا۔ بزدل اور کمینے ہتھیاروں کے بل پر نہتوں پر رُعب جماتے ہیں۔ سرکاری فوج اور پولیس بھی جو بظاہر مظلوم مسلمانوں کی حفاظت کے لئے آئی تھی، ہندو ظالموں کی معاون و مددگار ہوگئی تھی۔ نمازیوں کے لئے ''نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن'' قرار میں بے قراری تھی، فرار میں بے اختیاری تھی۔ نمازیوں کے خون سے مسجد کا فرش ڈھک گیا۔ بہر حال حضرت علیہ الرحمہ کی توجہ و تصرف سے اللہ تعالیٰ نے نجات کی راہ نکالی۔

چند دنوں میں مسجد میں سات بم گرائے گئے۔ مسجد کے پشتہ پر قبضہ کر کے گنڈو دیا نے جو مندر تعمیر کیا تھا یہ کارروائی وہاں سے ہو رہی تھی۔ وہاں سے ہندوؤں نے دیکھا ایک روز حضرت علیہ الرحمہ دالان کے پاس سے گزر رہے تھے دوسری طرف کیاری تھی۔ حضرت علیہ الرحمہ پر بم گرایا گیا۔ نشانہ خطا ہوا، بم کیاری میں گرا، جہاں کچھ دیر پہلے پانی ڈالا جا چکا تھا، اور مٹی دلدل بن گئی تھی اس دلدل میں گرا بم پھٹ نہ سکا اور حضرت علیہ الرحمہ بال بال بچ گئے حضرت علیہ الرحمہ کے وجود شریف پر خوف کا اثر نہ تھا۔ جبکہ دوسرے حضرات بہت ڈرے ہوئے تھے۔

مسجد میں نمازیوں کا آنا جانا برائے نام رہ گیا تھا۔ مدرسہ عالیہ عربیہ میں تعلیم بند ہو گئی۔ اساتذہ اور طلباء بھی اپنے اپنے وطن چلے گئے، مسجد کے عملہ میں تین چار خادم رہ گئے وہ بھی چلے جاتے مگر حضرت علیہ الرحمہ نے چوبیس گھنٹہ مسجد میں رہنے کا ارادہ کر لیا تھا اس لئے ان حضرات کی ہمت بندھی رہی۔ مسجد کے تینوں قد آدم مضبوط شاہی دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ ان کی کھڑکیوں پر ایک ایک دربان متعین تھا۔ کوئی مسلمان آتا تو اطمینان کر کے اسے کھڑکی کے ذریعہ مسجد میں آنے دیا جاتا۔ شہر کے مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ جن مسلمان علاقوں میں کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا تھا، وہاں سے بھی مسلمان اپنا گھر بار روزگار چھوڑ کر پاکستان آ رہے تھے۔

ان حالات میں دس ہزار گز لمبی چوڑی مسجد جو چاروں طرف سے ہندوؤں میں گھری ہوئی ہو۔ ہزاروں ہندو اور سکھ اس کوشش میں ہوں کہ کسی طرح اس مسجد پر قبضہ کر لیں تو مسلمانوں کی دہلی میں قوت ٹوٹ جائے گی۔ غیر مسلموں کو ہر قسم کی حکومت کی امداد، ہتھیار اور افرادی قوت میسر تھی۔ یہ سب کچھ حضرت علیہ الرحمہ ملاحظہ فرما رہے تھے۔ سب کو محسوس ہو رہا تھا کہ کسی وقت بھی یہ خبر آ جائے گی کہ مسجد میں چاروں محافظوں اور امام صاحب

کو شہید کر دیا گیا اور مسجد پر قبضہ ہو گیا۔ لوگوں کو حضرت علیہ الرحمہ کی وجہ سے بہت تشویش تھی چنانچہ ایک مسلمان ممبر پارلیمنٹ کو اس تشویش پر احساس ہوا۔ وہ ایک فوجی ٹرک لے کر مسجد فتح پوری پہنچے اور حضرت علیہ الرحمہ سے عرض کیا:

''کہ آج رات مسجد پر حملہ اور قبضہ کا منصوبہ ہے۔ مسجد کو تالا لگائیں، آپ سب ٹرک پر سوار ہو جائیں تاکہ آپ کو محفوظ مقام پر پہنچا دیا جائے۔

دربانوں نے اطمینان کا سانس لیا اور فوجی ٹرک پر سوار ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ سب حضرت کی جانب دیکھ رہے تھے، اشارہ کا انتظار تھا کہ حضرت علیہ الرحمہ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا:

''آپ لوگوں کو اجازت ہے، جا سکتے ہیں مگر فقیر یہیں رہے گا۔ کل قیامت کے روز اگر مولیٰ تعالیٰ نے پوچھا کہ ہم نے اپنا گھر تیرے سپرد کیا تھا، اس کو کس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلا گیا تو کیا جواب دوں گا؟''

ایک بوڑھے دربان نے مستانہ وار نعرہ ''اللہ اکبر'' لگا دیا۔ دیکھنے والی آنکھوں نے دنیا کے حوالے سے لا خوف علیھم کا عملی مظاہرہ اور عاقبت کے حوالے سے وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ کی عملی تفسیر کا مشاہدہ کر لیا۔ حضرت علیہ الرحمہ کی ولایت پر یقین آ گیا۔

ایک بار حضرت علیہ الرحمہ مسجد سے باہر تشریف لے جا رہے تھے، قاتل پیچھے چل رہا تھا، وار کرنے کی کوشش کی پکڑا گیا۔

ایک بار پہلی صف میں ایک سکھ بھیس بدل کر نمازی بن کر بیٹھ گیا کہ جونہی حضرت علیہ الرحمہ سجدہ میں جائیں گے شہید کر دے گا۔ مگر روحانی محافظ (ملائکہ) اللہ تعالیٰ کے حکم سے حفاظت پر مامور تھے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا مسجد کے اندر کیاری کے پاس سے گزرتے ہوئے ذرا نشانہ خطا ہوا اور بم دلدل میں گر کر ناکارہ ہوا۔

حضرت علیہ الرحمہ کے اہل خانہ اپنے عزیزوں کے ہاں گئے ہوئے تھے کہ غیر مسلموں نے حضرت کے مکان پر قبضہ کرلیا۔ چونکہ حضرت مفتی اعظم مسلمانوں میں عظیم ترین شخصیت تھے۔ فوراً افسران بالا کے علم میں آگیا۔ پولیس کے اعلیٰ عہدے داروں نے معذرت کی اور کہا کہ ان قبضہ کرنے والوں کے لئے آپ جو سزا تجویز کریں وہ دی جائے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے ان سب کو معاف فرمادیا۔

سنی مجلس اوقاف کے بعض بددیانت ممبروں نے اسلام دشمن سیٹھ گدوڈیا کو مسجد کی پشت کی زمین دے دی۔ مسجد شریف کے گنبدوں کے پیچھے اس نے مندر بنادیا اور مسجد کو نقصان پہنچانے کی تدبیریں کرتا تھا۔ اکثر کانگریسی مولوی اور کھدر پوش مسلمان لیڈر خاموشی سے تماشا دیکھ رہے تھے۔ حضرت علیہ الرحمہ کو یہ گوارا نہ تھا چنانچہ حضرت علیہ الرحمہ کے ایک معتقد خاص اور دہلی کے مسلمان رئیس محمد شفیع باڑی [1] نے حضرت علیہ الرحمہ کے ایماء پر مقدمہ لڑا جس میں گدوڈیا کو شکست ہوئی مگر ۱۹۴۷ء کی ہندو گردی میں عدالت کے فیصلہ پر عمل نہ ہوسکا۔ گدوڈیا اور اس کے ہمنوا جانتے تھے کہ سارے مولویوں کا منہ بند کیا جاسکتا ہے مگر حضرت علیہ الرحمہ حق سے دستبردار ہونے والے نہیں، اس لئے خاص طور پر حضرت علیہ الرحمہ کی جان کے دشمن ہوگئے تھے۔ دوسرے عام ہندوؤں کو یہ بھی معلوم تھا کہ اگر حضرت علیہ الرحمہ مزاحمت نہ کریں تو مسجد پر قبضہ بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ دنیا یہ بھی جانتی تھی کہ اگر حضرت علیہ الرحمہ کا وجود شریف نہ ہو تو مسلمان دہلی کو بھی اسی طرح خالی کردیں گے جس طرح اطراف کے شہر اور گاؤں مسلمانوں نے خالی کردیے تھے۔

---

[1] شیخ محمد شفیع باڑی رحمۃ اللہ علیہ راقم الحروف کے نانا تھے۔ مظہری

ان حالات میں بڑے بڑے نڈر اور بہادر بھی مصلحت کا لبادہ اوڑھ کر میدان سے نکل جاتے ہیں۔ برعکس اس کے حضرت علیہ الرحمہ اپنا گھر چھوڑ کر مسجد میں سکونت اختیار کرلیتے ہیں۔ میدان سے بھاگے نہیں میدان میں ڈٹ گئے۔

ایک بار نماز جمعہ کے بعد سب نمازی جمع ہوگئے۔ سب محبین نے زور دیا کہ آپ مسجد میں اکیلے نہ رہیں اور کسی محفوظ مقام پر رہائش پذیر ہوجائیں اپنے اپنے گھر پیش کئے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے سب کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا:

''اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ'' کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں اور پوچھا اتنے بڑے بڑے حادثات گزر گئے، اللہ تعالیٰ نے جس طرح فقیر کی حفاظت فرمائی آئندہ بھی وہی حفاظت فرمائے گا۔ ان شاء اللہ! آپ بھی استقامت کا مظاہرہ کریں فقیر آپ سب کے لئے یہاں دعا کررہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔''

حضرت علیہ الرحمہ کی بے خوفی عالم کا کیا کہنا! دنیا میں ایسی نظیر مشکل سے ملے گی، مسلمانوں کے انحطاط کے دور میں ...... بے کسی اور بے بسی کے اس عالم میں کہ سڑکوں پر مظلوموں کی لاشوں کے ڈھیر پڑے ہوں حکومت وقت کو للکارنا اور اس کی بداعمالیوں کے لئے آئینہ دکھانا بہت بڑے حوصلے کی بات ہے، یہ اہل اللہ کی شان ہے۔

چنانچہ جیسا کہ حکومتیں کرتی ہیں دنیا کو دکھلانے کے لئے، سب کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لئے، اپنے جرم کو چھپانے کے لئے علماء، مشائخ، معززاور بااثر شخصیتوں کو لالچ دے کر یا ان پر دباؤ ڈال کر ریڈیو پر اعلان کرایا جاتا ہے کہ:

''حکومت کی تعریف کریں اور اعلان کریں کہ حکومت نے حالات پر قابو پالیا ہے اور شہر میں مکمل امن ہے۔''

حکومت کے قاصد نے جب یہ درخواست کی تو حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا:

''حکومت حالات ٹھیک کر دے تو فقیر کو کہنے میں عذر نہیں۔''

حکومت کے نمائندے نے کچھ صفائی پیش کی ہوگی کہ حضرت علیہ الرحمہ کو جلال آگیا۔ فرمایا:

''جو کچھ ہو رہا ہے حکومت کے ایماء پر ہو رہا ہے۔ یہ سب حکومت کی شرارت ہے''

واقعی مولوی سلطان محمود صدر مدرس عالیہ فتح پوری نے خوب کہا تھا کہ ''مفتی صاحب شریعت کی برہنہ تلوار ہیں۔'' آپ نے ہمیشہ حق کہا۔

جب حضرت علیہ الرحمہ پاکستان تشریف لائے اور یہاں لوگوں نے اصرار کیا کہ پاکستان میں مستقل قیام فرمالیں تو حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ:

''ہندوستان کے مظلوم مسلمانوں کو فقیر کی ضرورت ہے لہذا ان کو چھوڑ کر نہیں آ سکتا۔''

واقعہ بھی یہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی حضرت علیہ الرحمہ کے وجود شریفہ سے ہمت بندھی ہوئی تھی۔

ایسے خوفناک مراحل پیش آئے، حضرت علیہ الرحمہ نہ کبھی خوف زدہ ہوئے نہ محزون...... اللہ تعالیٰ نے ان کی ضمانت لی تھی۔

اعتدال پسندی

حضرت علیہ الرحمہ کے مزاج میں عدل وانصاف غالب تھا۔ آپ آزادی رائے کو اہمیت دیتے تھے اور جمہوریت پسند تھے، تنگ نظری اور تعصب سے نفرت تھی۔ حضرت علیہ الرحمہ نے ان باتوں کا پرچار ہی نہیں کیا بلکہ عملی مظاہرہ بھی کیا۔ آپ کی وسیع القلبی اس وقت قابل دید ہوجاتی ہے جب معاملہ اپنی ذات یا اپنی اولاد کا آجائے۔ دوسروں کا فیصلہ انصاف سے کرنا اتنی مشکل بات نہیں جہاں اپنی انا کو ٹھیس لگے یا اپنی اولاد کا قصور نظر آئے پھر بھی کلمہ حق کہنا اعلیٰ ظرفی اور قناعت پسندی ہے مثلاً:

حضرت علیہ الرحمہ جب ۱۹۶۱ء میں پاکستان تشریف لائے تو لوگوں کے بے حد اصرار پر آپ نے بزم ارباب طریقت قائم کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ جس کے صدر اعلیٰ حضرت مولانا مفتی محمد محمود صاحب علیہ الرحمہ بنے اور حضرت مولانا مفتی محمد مظفر احمد صاحب صدر بنے، دوسرے عہدے دار بھی مقرر ہوئے پھر بعض غلط فہمیوں کی بناء پر اختلافات پیدا ہوگئے جس کی شکات حضرت علیہ الرحمہ کو پہنچی آپ نے کئی تجاویز پیش کیں ــــــ دونوں اکابرین (یعنی اعلیٰ حضرت علامہ شاہ رکن الدین علیہ الرحمہ اور حضرت شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ) میں بہت یگانگت تھی۔ دونوں حضرات کے مریدین۔ ان دونوں کو اپنا پیر مانتے تھے اور یہ بزرگوار سب مریدین پر یکساں شفقت فرماتے۔ ایسا کوئی امتیاز نہ تھا کہ کون کس کا مرید ہے۔ یہ ایک مثالی تعلق تھا بعض شرکاء بزم نے نادانی سے اس یگانگت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ جب یہ بات حضرت علیہ الرحمہ کے علم میں آئی تو آپ نے

اظہار ناپسندیدگی فرماتے ہوئے تحریر فرمایا:

''یہ اعتراض بے جا ہے کہ اکثر ارکان بزم حضرت مولانا محمد رکن الدین شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مرید ہیں۔ میرے بھائیوں میں اور ان حضرات میں تفریق کرنا نہایت درجہ ناموزوں ہے۔ اب اگر اہل بزم کو میری تجویز میں سقم معلوم ہوتا ہے تو ایک بڑا جلسہ کر کے بالاتفاق کوئی تنظیم کر لیں۔ مجھے اس میں بھی کوئی اختلاف نہ ہوگا۔ لیکن مولانا موصوف (حضرت مفتی محمد محمود صاحب) کو صدر اعلیٰ ضرور رکھیں۔ اور میرے بھائیوں کو مولوی مظفر احمد سلمہٗ کی تعظیم میں کوئی کمی نہ کرنی چاہیے۔ یہ ان کے حق میں مفید ہوگا۔ یہ راستہ انکساری کا ہے ہر ایک پر انکساری لازم ہے۔ اگر بھائیوں میں کسی سے نامناسب بات نظر آئے تو بہت خوبصورتی کے ساتھ سمجھائیں۔''

ایک اور قصہ نے طول پکڑا کہ حضرت علیہ الرحمہ کے بڑے صاحبزادہ حضرت علامہ مفتی محمد مظفر احمد شاہ صاحب نے آرام باغ کی جامع مسجد کی امامت و خطابت قبول کر لی۔ اس مسجد کے متولی حاجی منظور احمد صاحب حضرت علیہ الرحمہ کے دیرینہ مرید تھے۔ حضرت امام صاحب موصوف کا مزاج قدرے جلالی تھا۔ حاجی منظور صاحب کو بحیثیت متولی اپنی ذمہ داری اور کمیٹی کے دباؤ کا مسئلہ درپیش تھا۔ کچھ اختلافات رونما ہو گئے۔ حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں معاملہ پہنچا تو حضرت نے شریعت کے مطابق عادلانہ طریقہ اختیار فرمایا۔

یہاں سے حضرت صاحبزادہ صاحب اور بعض مریدین نے حضرت علیہ الرحمہ کو حاجی منظور احمد کے بارے میں شکایات تحریر کر دیں لیکن حاجی منظور صاحب نے کچھ نہ لکھا تو حضرت علیہ الرحمہ نے بغیر جواب دعویٰ کے اپنا فیصلہ محفوظ رکھتے ہوئے حاجی صاحب کے

خط کا انتظار فرمایا، آپ کا جواب صاحبزادہ صاحب کیلئے یہ تھا:

''اس وقت تمہارا اور ذکر الرحمٰن وغیرہ کے خطوط امامت کے نزاع کے متعلق موصول ہوئے لیکن میاں منظور سلمہٗ کا کوئی خط نہیں پہنچا۔ ایک طرف کے بیان پر میں کیا فیصلہ کر سکتا ہوں میاں منظور سلمہٗ کا بیان بھی آ جاتا تو دونوں بیانوں پر غور کرنے کے بعد کچھ کہہ سکتا تھا...... تم نے بغیر میرے مشورہ کے اس عہدہ کو قبول کر کے غلطی کی۔ خیر اب ان سے مطالبہ کریں کہ وہ بھی اپنے عذرات تحریر کر دیں ورنہ پھر صرف تمہاری تحریر پر فیصلہ کر دیا جائے گا۔''

دیگر ذرائع سے جب معلومات فراہم ہوئیں تو حضرت علیہ الرحمہ نے صاحبزادہ عالی قدر کی دو کمزوریوں پر گرفت فرمائی اور واضح ہدایت فرمائی:

''اتنا خیال رکھیں کہ وقت کی پابندی تو ضرور کرنی ہوگی۔ دوسرے جہاں تک ہو سکے لوگوں کے ساتھ خصوصاً اپنے دوستوں کے ساتھ نہایت ہی نرمی سے پیش آئیں۔

(''دوستوں'' سے اشارہ حاجی منظور صاحب کی طرف معلوم ہوتا ہے جن سے بظاہر تنازع تھا) آگے تحریر فرمایا:

''میاں منظور کیسے بھی ہیں مگر کہلاتے اپنے ہیں۔''

صاحبزادہ بلند وقار کے دل میں بھی حاجی منظور صاحب کے لئے نرم گوشہ پیدا کرنے کی حکمت ہے کہ حاجی صاحب ہی سراسر قصوروار نہ تھے۔

حاجی منظور احمد صاحب علیہ الرحمہ دہلی حاضر ہوئے اور صورتحال سے حضرت علیہ الرحمہ کو باخبر کر دیا۔ اب حضرت علیہ الرحمہ نے فیصلہ فرمایا اور مصلحتاً ایک باوقار با تدبیر اور بااثر شخصیت یعنی حضرت حکیم قاضی مشتاق احمد صاحب علیہ الرحمہ کو یہ ذمہ داری سونپی کہ صاحبزادہ محترم حضرت علامہ مفتی محمد مظفر شاہ کو سمجھائیں آپ کا مکتوب یہ ہے:

''حاجی منظور احمد سلمہم سے واقعات معلوم ہوئے اور مولوی مظفر احمد سلمہم کا خط بھی موصول ہوا۔ میں نے جہاں تک غور کیا اس نزاع کی (یہ) وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حاجی منظور کی دوسروں کے سامنے بے حرمتی کی گئی۔ اس لئے میں نے مولوی مظفر احمد سلمہم کو بھی لکھا ہے کہ تحمل و بردباری سے کام لیں اور جو کچھ دیا جائے فی الحال اس پر اعتراض نہ کریں، اور حاجی منظور کو بھی کہہ دیا کہ جو شرائط تم نے پیش کی ہیں وہ سب لغو ہیں ان کو بھی پیش نہ کرو۔ لیکن وہ یہ عذر کرتے ہیں کہ کمیٹی اس پر مجبور کرتی ہے لیکن میرے خیال میں یہ قابل سماعت نہیں۔ ممکن ہے واپس جا کر کچھ بہتر رویہ ہو جائے۔ میرے نزدیک بھی دونوں کی بہبودی اسی میں ہے کہ دونوں مل کر رہیں۔ یہ زمانہ سختی کا نہیں اس لئے میں ان پر زیادہ سختی نہیں کر سکتا میرے نزدیک جو اصلاح کا طریقہ ہو سکتا ہے اسی کو اختیار کیا ہوا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حاجی منظور کے ساتھ کچھ ایسے لوگ جمع ہو رہے ہیں جن کی وجہ سے نوک جھونک ہونے کا اندیشہ قوی ہو گیا ہے۔ آپ کو چاہیے کہ مولوی مظفر احمد سلمہم کو صبر و تحمل کا مشورہ دیں۔'' [1]

اس خط سے عیاں ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے صاحبزادہ کی حمایت نہیں لی۔ ایک اور مکتوب میں اہلیہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ہدایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: گھر میں سلام و دعا کہہ دیں ان سے سلوک بہتر قائم رکھیں کہ یہ بھی ایک سبب ترقی کا ہے۔'' اتفاق سے بیوی کی جانب سے غلط بات ہو تو ان کو بھی راہ راست پر لانے کی کوشش فرمائی جاتی ہے۔ فرمایا:...... ''پیسہ کی کمی کے باعث اہلیہ ناخوش ہوتی ہوں گی، ان کو صبر کی فہمائش کرو۔ اللہ کے خوف سے ڈراؤ کہ اللہ تعالیٰ و رسول ایسے پر غضب پر فرماتے ہیں جو

[1] مکتوب ۳۵، ۱۰ صفحہ ۵۶۶، مکاتیب مظہری جلد اول و دوم، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۰ء

خاوند سے زبان چلاتی ہے ملائکہ اس پر لعنت کرتے ہیں۔''

ایک مرید کو معاملات درست رکھنے کی اس طرح ہدایت فرمائی۔ ''تمہارے خسر نے اپنی صاحبزادی کے جانے کا جو رنج اٹھایا ہے کچھ تو اس نے، کچھ جائیداد کی پریشانیوں نے ان کا دل سرد کر دیا ہے۔ ادھر تمہاری کچھ بدعنوانیاں بھی دیکھیں یہی وجہ ہے جواب نہ دینے کی۔ اب جب (آپ) ان کی صاحبزادی کو ان سے ملوائیں گے اور تعلقات اچھے کریں گے تو یہ کدورت ان شاء اللہ جاتی رہے گی۔

تم کو میرا کچھ لکھنا جب ہی بار آور ہوگا جب اس پر تم عمل کرو اور غور کر کے دیکھو کہ یہ جو کچھ کہتا ہے صحیح کہتا ہے یا کسی طرح کی عداوت ہے۔ عزیز من! معاملات میں صحیح رہو گے تمہارے لئے بہتر ہے ورنہ اس کے خلاف میں گو یہاں فائدہ نظر آئے لیکن حقیقت میں اس میں سراسر نقصان ہے۔''

☆......☆......☆......☆......☆

اتباع

فاتبعونی یحببکم اللہ

انسانِ کامل نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کی حیاتِ مقدسہ میں انسانی زندگی کے تمام اعلیٰ فطری پہلو اس قدر نمایاں ہیں کہ جو انسان چاہے اپنی زندگی کو اس نمونہ پر ڈھال سکتا ہے۔ جس قدر نمونہ کی پیروی ہوتی ہے اسی قدر کمال کی منزل قریب ہو جاتی ہے۔

اسوۂ حسنہ کی تصویر دیکھنی ہو تو عارفِ سبحانی، واقفِ اسرارِ لامکانی حضرت شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کی زندگی کے حالات۔ چھوٹے بڑے واقعات کا مطالعہ کیا جائے۔ اسوۂ حسنہ کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔ وہ حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جیتا جاگتا مرقع تھے۔ جن سنتوں کا اختیار کرنا بس میں تھا انہیں تو ہر حال میں پورا کیا، جن پر اختیار نہ تھا وہ اللہ تعالیٰ نے پوری کرا دیں، وہ مادرزاد ولی اور عاشقِ رسول تھے۔ مرتبہ فنافی الرسول میں قبولیت کی شان کی تصدیق تو آپ کی زندگی کے ابتدائی ایام سے بھی ہو جاتی ہے۔ محبوب کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں کس طرح رنگ دیا گیا تھا۔ یہ رنگ اس طرح جھلک رہا ہے جس کی مثال مشکل ہے جس عمر میں سایوں کی ضرورت تھی ایک ایک کر کے سائے ہٹا دیئے، اپنے سایۂ رحمت میں لے لیا۔ جب سہاروں کی احتیاج تھی، بے آسرا کیا، پھر خود سہارا دیا، خود تربیت فرمائی۔

سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی بچپن میں یتیمی، پھر والدہ معظمہ آمنہ مکرمہ کا سایہ اُٹھنا، دادا جناب عبدالمطلب کا کفالت میں لے لینا۔ ان کا سایہ اُٹھا تو عم محترم ابوطالب کا سرپرست قرار پانا۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ کوئی بھائی تھا جو سہارا بنتا نہ کوئی بہن جو

دلداری فرمائیں۔ یہ سب بے اختیاری حالات تھے اور سنتیں بھی۔ حضرت قبلہ عالم مفتی اعظم علیہ الرحمہ ان ہی بے اختیاری حالات سے گزرتے ہیں اور یہی سنتیں ادا ہو جاتی ہیں۔

بچپن کی یتیمی اور ۶ سال ہی کی عمر ہوئی تو والدہ کا انتقال ہوا، دادا علیہ الرحمہ کی کفالت اور چچا علیہ الرحمہ کی سرپرستی [1] بہن بھائی نہ تھے۔

مگر اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کوئی آسان کام بھی نہیں ـــــ انسان کی زندگی میں یہی سب سے بڑا مجاہدہ ہے۔ یہی سب سے بڑی ریاضت ہے۔ نفس کی سب سے بڑی مخالفت اتباع میں ہی تو ہے۔ اسی لئے تمام عبادات اور ہر عمل سے بڑھ کر انعام (یحببکم اللہ) اللہ تعالیٰ کی محبت میسر آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کے سامنے کسی شے کی کیا حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں محبت سے سرفراز فرمایا ـــــ وہ ان مقبولانِ بارگاہِ صمدانی، ان محبوبانِ حضرت سبحانی اور ان انعام یافتگانِ دربارِ سلطانی میں سے تھے جو انعمت علیھم کی صف میں نظر آتے ہیں۔

قرآنِ عظیم سے بھی تصدیق ہو رہی ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: فاذکرونی اذکرکم ''لفظی ترجمہ تو یوں کیا جا سکتا ہے کہ ''تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں۔'' علماء و مفسرین کا اتفاق ہے کہ بندوں کا ذکر کرنا یہ کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنا اور اللہ کا ذکر کرنا یہ کہ وہ بندوں کی زبان سے اپنے ذاکر (محبوب) بندے کا ذکر کروائے۔ اسی انداز پر فرمایا ''فاتبعونی یحببکم اللہ'' حضور پرنور علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل السلام سے کہلوایا گیا کہ میری اتباع کرو تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا۔ اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ کے بندے سے محبت فرمانے کا ایک یہ پہلو بھی ہے کہ اللہ کے بندے (بعض یا کل مخلوق) اتباع کرنے والے سے محبت کرنے لگیں۔

حضرت ممدوح شیخ الاسلام شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کی ساری زندگی اپنے مولیٰ تعالیٰ کے ذکر میں صرف ہوئی۔ کوئی بتائے کہ انہوں نے دُنیا کے لئے کون سا کام کیا؟ تہ

[1] بھائی کا شیرخوارگی میں انتقال ہو گیا تھا۔

زمین خریدی نہ مکان بنائے۔نہ تعیش کے سامان فراہم کئے،نہ گاڑی نہ سواری نہ بینک بیلنس۔اللہ تعالیٰ نے جو جسمانی،علمی،روحانی صلاحیتیں عطا فرمائیں سب اللہ کے دین کی خدمت میں صرف کردیں یہاں تک کہ جو اولاد ہوئی اس کو بھی اسی راہ پر گامزن فرمادیا۔آج کل ایسے باپ دنیا میں کم ہیں جن کے سب ہی بچے اولیاء کاملین میں ہوں سب نے اپنی زندگیاں خدمت دین کے لئے وقف کردی ہوں۔حضرت علیہ الرحمہ کے سب بیٹے عالم دین متقی اور صاحب کردار بنے۔سب نے نیکی کو پھیلایا۔صرف تسبیح پھیرنے کو ذکر نہیں کہتے۔اللہ کو ہر وقت یاد رکھنا اور اس کی ہر نعمت کو منعم کی پسند کے مطابق صرف کرنا بہترین ذکر ہے۔

حضرت علیہ الرحمہ کی زندگی میں ان کا ذکر جابجا ہونے لگا تھا اپنے پرائے سب ہی ان کے گن گانے لگے تھے۔کتابوں میں حوالے،رسائل میں مقالے اور اخبارات میں ان پر کالم لکھے جانے لگے تھے۔وصال ہوگیا تو ہندوستان اور پاکستان کے سارے اخبار و جرائد سوگوار تھے۔ہر پڑھنے والا اشکبار نظر آرہا تھا۔عرصے تک لکھنے والے اس طرح لکھتے رہے شعراء نے مرثیے لکھے،تاریخی قطعات لکھے،خوب لکھا گیا۔خوب پڑھا گیا۔یہ سلسلہ رکا نہیں اخبار و رسائل میں اب بھی مقالات شائع ہوتے رہتے ہیں بلکہ مستقل کتابیں لکھی جانے لگیں۔یا کتابوں میں مستقل عنوانات قائم ہوتے ہیں،یا سیرت کے کسی ایک پہلو پر مکمل تصنیف آتی ہے۔مثلاً''تذکرہ مظہر مسعود''ایک عظیم تاریخی اور تحقیقی کام، ''مکاتیب مظہری،حیات مظہری،اخلاق مظہری،کرامات مظہری،درود مظہری،مواعظ مظہری'' کہ آپ کی فقاہت پر ق گوئی پر سیاست پر کتابوں میں علیحدہ عنوان مثلاً''اکابر تحریک پاکستان''مؤلفہ حضرت مولانا محمد صادق قصوری مدظلہ میں دیگر اکابرین کے حالات اور کارناموں کا تذکرہ ہے۔

اس کے علاوہ وعظ و نصیحت کی محافل میں،علماء کی نشستوں میں،احباب کے حلقوں میں ان کا ذکر جاری رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے حضور میں ذکر کے حوالے سے مقبولیت اور انعام

کا ثبوت ہیں۔محبوب کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ نے محبت فرمانے کا وعدہ فرمایا۔حضرت علیہ الرحمہ نے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کمال حاصل کرلیا تھا۔سنتوں کے جمال سے ان کی زندگی جگمگا رہی ہے۔حضرت کی حیات مبارکہ میں بھی لوگ ان کو بہت چاہتے تھے،بہت احترام کرتے تھے۔ان پر انوار الٰہی برستے تھے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی شان تو حضرت علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد روز بروز اور زیادہ نمایاں ہورہی ہے۔ان کے ان دیکھے عاشقوں کا ہجوم بڑھ رہا ہے۔ان کو دیکھنے والے اٹھتے جا رہے ہیں جو زندہ ہیں ان کو انگلیوں پر گن لو۔ایک دن یہ بھی نہ ہوں گے۔پھر کون محبت کرے گا؟

اب ان کا عرس مبارک کئی شہروں میں ہونے لگا۔دہلی میں تو ان کا مزار شریف ہے وہاں کا کیا مقابلہ؟لاہور میں بھی بڑا اجتماع ہوتا ہے۔کراچی میں سب دیکھ رہے ہیں آرام باغ میں عرس ہوتا رہا وہاں محفل میں سو دو سو آدمی ہوتے تھے ان میں وہ بھی شامل تھے جو شب برأت کو مسجد میں شب بیداری کے لئے آتے ہیں(لنگر میں پانچ سو بھی ہوجاتے تھے)چند سالوں سے مسجد کی بجائے حضرت مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ کے دولت کدہ پر عرس شریف ہورہا ہے۔حاضرین کی تعداد میں دس گنا اضافہ ہوگیا۔ہر سال آنے والے بڑھ رہے ہیں۔شاندار اہتمام اور بہترین انتظام ہوتا ہے۔بڑے بڑے علماء کی تقاریر ہوتی ہیں،مشائخ کرام کی تشریف آوری سے مجلس کا تقدس دوبالا ہوجاتا ہے۔ یہ بحبکم اللہ کے اشارے ہیں،اسی طرف سے سارے اشارے ہیں۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کو ان کی نسبت سے بڑی تقویت مل رہی ہے۔حضرت علیہ الرحمہ کی سیرت مبارکہ کو سننے اور پڑھنے کا بھی ایک فیض ہے۔ان سے محبت کا فیض بھی نظر آتا ہے اور لوگ جوق در جوق اس سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں حضرت علیہ الرحمہ سے محبت کرنے والے روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں۔

شفقت

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ الرَّحِيْمٌ

وہ جو بالمومنین رؤف الرحیم ﷺ سے فیض یافتہ تھے۔ وہ جس طرح اپنے بچوں پر بے حد مشفق تھے اسی طرح اپنے مریدین، مخلصین اور محبین پر بہت شفیق بہت مہربان اور مسلمانوں کے بہت بڑے ہمدرد اور بہت غم خوار تھے۔

حضرت علیہ الرحمہ کی اخلاص شفقت کا اثر تھا کہ ہر مرید ان کی محبت پر نازاں تھا اور دعویٰ کرتا تھا کہ جس قدر حضرت علیہ الرحمہ مجھ سے محبت فرماتے ہیں اس قدر کسی اور سے نہیں فرماتے۔ اسی طرح مسلمان ان کی طرف دیکھتے تو ڈھارس بندھ جاتی تھی۔

مکتوبات شریفہ سے چند اقتباس پیش کیے جاتے ہیں۔ جن سے حضرت علیہ الرحمہ کی مریدین سے محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ فرمایا:

○—— ''تمہاری محبت نے قلب پر گہرا اثر پیدا کیا ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے خواہش ہے کہ اس محبت کے طفیل (اللہ تعالیٰ) تمہاری ترقی مجھے دکھا دے۔''

○—— ''تمہاری یاد کا اثر ہے کہ تمہیں یاد کر رہا ہوں۔ دیکھئے اب کب ملاقات ہوتی ہے۔ آپ کی یاد میری یاد کی طرح ہے۔ مولیٰ تعالیٰ نے تمہاری صورت و سیرت ایسی بنائی ہے کہ انسان سلیم البیان کی طبیعت ہزار جان سے مالوف ہو جائے۔ اللّٰھم زد فزد ملاقات کی آرزو تھی اس کریم کے کرم نے اس کو بھی پورا فرما دیا۔''

○—— مولیٰ تعالیٰ تمہیں وہ عروج عطا کرے کہ اہل زمانہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو

جائیں [1] تمہارا خط پڑھ کر میرا بھی یہی حال ہوتا ہے جو تمہارا ہوتا ہے۔''

○—— ''تم کسی وجہ سے پریشان معلوم ہوتی ہو لیکن خط میں اس کا کوئی ذکر نہ تھا...... یہ صحیح ہے کہ تمہیں ہماری یاد آتی ہو گی لیکن اس پر کبھی یہ بھی قیاس کیا کہ ہمیں تمہاری کس قدر یاد آتی ہو گی کہ تم تو ثمر ہو درخت کی مایوسانہ حالت دیکھنی چاہیے۔ یوسف علیہ السلام تو مصر میں بادشاہ بن بیٹھے مگر یعقوب علیہ السلام سے پوچھنا چاہیے کہ تم پر کیا گزری۔؟''

○—— ''تمہاری خیریت معلوم کر کے سکون ہو جاتا ہے کیا واقعی تمہاری طبیعت ہمیں دیکھنے کو نہیں چاہتی۔ فقیر تو یہ چاہتا ہے کہ تم یہیں رہو اور تم عارضی طور پر بھی دیکھنا گوارا نہیں کرتیں۔ ہمارے تمہارے خیال میں کس قدر فرق ہے تمہارے والد مرحوم و مغفور کی یاد بے چین کر دیتی ہے۔ کیا اچھا ہو کہ تم یہاں آ کر مستقل رہو۔''

○—— ''آپ کے متولی صاحب سے ہم کو بھی محبت ہے کہ وہ تم سے محبت کرتے ہیں۔''

○—— ''تم جیسے مشفق سے کون ناراض ہو سکتا ہے ہرگز ایسا خیال نہ کریں۔ تم میری ناراضگی کا خیال نہ کرو شوق سے دہلی آ جاؤ لیکن اتنا خیال رہے کہ یہاں آنے میں کوئی نقصان ہوتا ہو تو ہرگز آنے کا ارادہ نہ کریں۔''

پروفیسر علامہ سید اخلاق حسین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ماہنامہ ''عقیدت'' نئی دہلی کے شمارہ جولائی ۱۹۶۲ء میں رقم طراز ہیں:۔

''ایک دفعہ درگاہ فلک بارگاہ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی قدس سرہ العزیز کی مسجد خلجی کے دروازے کے پاس حضرت تشریف فرما تھے۔ میں بے خیالی میں نکلتا چلا گیا تو حضرت کو دیکھا نہ آواز سنی۔ پھر ادھر سے ہی گزرا کہ حضرت نے دامن پکڑ لیا۔ پلٹ کر دیکھا تو ندامت سے پانی پانی ہو گیا۔ حضرت نے فرمایا پہلے آواز دی تو سنی

[1] حضرت علیہ الرحمہ کی دعا کے طفیل جاوید سلطان صاحب جاپان والا وزیر خزانہ بن گئے تھے۔ مظہری

نہیں۔ میں نے معذرت کی لیکن دل سے شرمندگی دور نہیں ہوئی۔
حضرت نے خندہ پیشانی سے کلمات شفقت آمیز فرمائے لیکن جب
اس واقعہ کیا خیال آتا ہے تو ندامت تازہ ہو جاتی ہے۔''

پروفیسر صاحب نے ایک واقعہ بیان فرمایا جس میں حضرت علیہ الرحمہ کی شفقت نے ان کے (پروفیسر صاحب) قلب پر گہرے نقوش چھوڑے تھے فرماتے ہیں:

○—— ''حضرت کا یہ کرم تو اخلاق ناچیز کے دل پر نقش ہے اور تا حیات نقش رہے گا کہ راقم کے والد بزرگوار وفات سے چند روز پیشتر ہمسایہ محبوب الٰہی میں مقیم تھے۔ وہیں انتقال فرمایا۔ یہ زمانہ اخلاق کے لئے بہت پُر آشوب تھا۔ ایسے حالات میں کوئی بھی کسی کا نہیں ہوتا لیکن جیسے ہی حضرت والد بزرگوار کی وفات حسرت آیات کی خبر ملی شدت گرما اور طویل مسافت کے بعد تشریف لائے اور نماز جنازہ کی امامت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اجر عظیم عنایت فرمائے۔

یہی وہ اوصاف ہیں جن سے قلوب متاثر ہوتے اور بندہ بے دام ہو جاتے ہیں۔ ہدایت و رشد کی راہیں کھلتی ہیں۔ یہی معمول تھا انبیاء علیہم السلام کا اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا۔ بہر حال اخلاق اپنے بچوں کو اور پس ماندگان کو وصیت کرتا ہے کہ وہ اس احسان کو کبھی فراموش نہ کریں۔ بلکہ آپ کا اور آپ کی اولاد پاک نہاد کا ادب ملحوظ رکھیں اور ان کی خدمت کو سعادت سمجھیں۔''

مریدین کی تکالیف حضرت علیہ الرحمہ کو بے چین کر دیتی تھیں کبھی کبھی یہ بے قراری ظاہر ہو جاتی تھی مثلاً جناب سلیمان صاحب کو تحریر فرمایا:

''مولوی ابراہیم سلمہم کے حالات معلوم ہو کر سخت افسوس ہوا۔ مولیٰ تعالیٰ ان پر کرم فرمائے، اُن کو ایک سال حاجی صاحب لودھی والوں کی خدمت میں بھیجا تھا اور معلوم ہوا تھا کہ انہوں نے مولوی صاحب

موصوف کی زکوٰۃ کی مد سے کچھ خدمت کی۔ ان کو چاہیے تھا کہ پچھلے سال بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے...... ہاں مولوی صاحب کو شرم آئی ہو گی تو اس کا علاج یہ تھا کہ تم خود ان کے پاس چلے جاتے اور حاجی صاحب کو یاد دہانی کر دیتے۔ خیر اب جا کر میرا سلام کہہ دیں اور میری طرف سے مولوی صاحب کی سفارش کر دیں—— اپنے پیر بھائیوں سے کہو کہ ان کا خیال رکھیں۔''

احقر کے دل میں آرزو تھی کہ حضرت علیہ الرحمہ کی دعوت کروں۔ ایک روز دل کی بات زبان پر آ ہی گئی۔ عرض کیا ''حضور میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کی دعوت کروں۔'' فرمایا ''کرو۔''
''حضور ہوٹل کا کھانا آپ پسند کریں گے؟ میری والدہ کا انتقال ہو چکا ہے۔''

فرمایا:

''پھر تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟'' ''تمہاری دعوت قبول کر لی، بس دعوت ہو گئی، تمہیں ثواب ملے گا'' احقر چپ ہو گیا شفقت پدری سے افسردگی دیکھی نہ گئی۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا: ''کیا ہوا؟'' احقر نے حسرت آمیز لہجہ میں عرض کیا:

''کاش میرا گھر ڈھنگ کا ہوتا والدہ حیات ہوتیں'' فرمایا ''چلو تمہارے گھر چل کر چائے پی لیں۔ پھر تو خوش ہو جاؤ گے۔''

سبحان اللہ! دوسرے دن صبح ناشتہ کی منظوری ہو گئی تو احقر نے عرض کیا
''صاحبزادگان بھی شریک ہوں'' فرمایا: ''ان سے پوچھو میں کسی کو مجبور نہیں کرتا۔''

دوسرے دن ماشاء اللہ تینوں صاحبزادگان عالی شان یعنی حضرت محترم مفتی محمد مشرف احمد صاحب، حضرت محترم مولانا حافظ محمد احمد صاحب اور جناب حضرت مولانا ڈاکٹر محمد سعید احمد رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین اور نبیرۂ حضرت شہزادہ مکرم میاں سلمہٗ القوی المنان کے ہمراہ رونق افروز ہوئے (۲ پیر بھائی بھی حاضر تھے) ناشتہ سے فارغ ہو کر چند منٹ رکے، پھر فرمایا ''اب تو خوش ہو گئے؟ اب اجازت دیں۔''

احقر کی رہائش تو دہلی میں تھی لیکن کلکتہ میں شادی ہونا طے پائی —— حضرت علیہ الرحمہ سے کلکتہ چلنے کی درخواست کی گئی تو فرمایا:

''تمہارے نکاح میں شرکت کی آرزو مجھے بھی ہے لیکن اتنا طویل سفر کرنے کی طاقت نہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو مبارک کرے۔'' احقر نے کچھ ضد کی کہ میرا نکاح آپ ہی پڑھائیں گے ورنہ میں شادی نہیں کرتا۔'' حضرت علیہ الرحمہ مسکرائے اور وہ دوست جو میرے ساتھ دعوت دینے گئے تھے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

''ان کو بھیج کر چھوارے منگوالیں۔'' چھوارے آگئے اور حضرت قبلہ نے نکاح پڑھادیا۔ دعا فرما کر حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا ''اب تو تمہاری ضد پوری ہوگئی اور الحمد للہ میری خواہش بھی۔ اب آپ کلکتہ جا کر بتادیں کہ اگر وکیل اور گواہ دلہن کی رضامندی پر گواہی دے دیں تو نکاح مکمل ہوگیا۔''

احقر نے کبھی ایسا نہ دیکھا نہ سنا تھا تو عرض کیا: ''حضور اگر وہاں لوگ نہ مانیں تو؟'' فرمایا: ''پھر وہ اپنے طور پر نکاح پڑھائیں اور آپ قبول کریں کوئی مضائقہ نہیں۔''

لطیفہ:

۱۹۹۰ء میں احقر کو دل کا عارضہ ہوا تو اہلیہ سے میں نے کہا:

''اب تو میرے جانے کی تیاری ہے تو اہلیہ نے کہا ایسا نہیں ہوسکتا ہمارا نکاح آپ کے حضرت نے پڑھایا تھا آپ مجھے نہیں چھوڑ سکتے، نہ طلاق دے سکتے ہیں، نہ میں بیوہ ہوں گی، میں سہاگن جاؤں گی اور وہی ہوا۔''

۲۶ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ/۱۲ جولائی ۱۹۹۹ء کو اہلیہ کا انتقال ہوگیا خدا اس سہاگن کی مغفرت فرمائے۔ آمین!

پیاری دُعائیں

حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہونے والے کبھی دعا کے ملتجی رہتے تھے، کبھی تو اسی وقت چند جملے ادا فرما دیتے تھے۔ مثلاً ''مولیٰ تعالیٰ کامیاب فرمائے۔ مولیٰ تعالیٰ فضل فرمائے'' یا فرماتے ''دعا کریں گے'' جو بار بار کہتا اس سے کبھی کبھی فرماتے ''آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں میری دعا قبول فرمائے۔''

اسی طرح جو خطوط جاتے ان میں بھی دعا کی درخواست ہوتی تھی اور حضرت علیہ الرحمہ دعا فرماتے تھے۔ یہ دعائیں عام طور پر جو لوگ دعائیں کرتے ہیں ان سے مختلف ہوتی تھیں۔ اول تو مکتوب الیہ کے لئے نئے نئے القاب تحریر فرماتے تھے جن میں اکثر دعائیہ ہوتے تھے۔ پھر خط میں کبھی شروع میں، کبھی درمیان یا آخر میں دعا تحریر فرماتے جن میں کوئی تعلیم، دینی تربیت اور آخرت کے لئے فلاح کی آرزو ہوتی۔ حضرت علیہ الرحمہ کی دعاؤں میں خاص شفقت جھلکتی ہے اور یقیناً یہ منفرد انداز ہے، مثلاً:

❶ قادر مطلق العزیز کو دارین میں بلند درجہ پر پہنچائے۔

❷ وہ تعالیٰ تمہیں اپنے محبوبوں کے راستہ پر گامزن رکھے اور اپنی حضوری عطا فرمائے۔

❸ وہ تعالیٰ تمہیں اپنے حبیب لبیب علیہ التحیۃ من الوحیب کی سنت پر قائم رکھے اور اپنے قرب سے سرفراز فرمائے اور محبوبانِ الٰہی کی محبت سے قلب کو پُر رکھے کہ یہ بڑی دولت اور مثمر ثمرات اعلیٰ ہے۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کو اپنی مرضیات پر گامزن

ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

۴ مولیٰ تعالیٰ تمہیں اپنی عبادت میں مصروف رکھے، نماز اور دینی معاملات کو صحیح کر دے۔

۵ (سوائے دعا کے اس عاجز کی طاقت میں اور کیا رکھا ہے جس سے تمہاری اعانت کی جائے)۔

۶ وہ تعالیٰ تمہیں اپنے تقرب سے سرفراز فرمائے۔

۷ مولیٰ تعالیٰ تمہیں مکروہات دارین سے محفوظ رکھے۔

۸ مولیٰ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے اور زمرہ صالحین میں تمہیں مقبول فرمائے۔

۹ وہ تعالیٰ تمہیں دارین میں ہمیشہ مسرور اور بعافیت رکھے اور اپنی یاد میں مستغرق رکھے۔

۱۰ وہ تعالیٰ العزیز کو بھی ہمیشہ بعافیت رکھے۔ اپنے مقاصد صحیحہ میں کامیاب کرے اور صراط مستقیم پر قائم رکھے۔ مولیٰ تعالیٰ وہ عطا کرے جس کا خطرہ بھی تمہارے قلب میں نہ گزرتا ہو۔

ہیبت اور عاجزی

یہ ایک معمہ ہے کہ برسہا برس جو حضرت علیہ الرحمہ کے قریب رہے انہوں نے کبھی حضرت علیہ الرحمہ کو غصہ کرتے نہیں دیکھا۔ پندرہ سالوں میں احقر نے کبھی زور سے بولتے بھی نہ سنا۔ نہ چہرہ خشمگیں نہ پیشانی پر بل۔ مولانا منور حسین سیف الاسلام اپنے مکتوب مورخہ ۷ رمئی ۱۹۷۳ء میں تحریر فرما چکے:

''حضرت علیہ الرحمہ کی گفتگو کیا تھی بس پھول جھڑتے تھے۔''

ایک عالم دین مولانا محمد مبین نے تحریر فرمایا ''سکون کی کیفیت ان کے ساتھ رہتی تھی اللہ نے ان کو نسبت سکینہ عطا فرمائی تھی۔

پھر یہ ماجرا کیا تھا کہ نہ ان کے سامنے بولنے کی ہمت ہوتی نہ نگاہ ملانے کی جرأت ہوتی۔ نہ کوئی بے تکلفانہ ان کے سامنے بیٹھ سکتا تھا۔ ایسے بے شمار واقعات ہیں، مثلاً جذبات کے موقع پر تحمل۔

○ —— ایک بار ایک عالم صاحب معہ ۴ معاونین کے تشریف لائے اور مناظرہ کا چیلنج کیا حضرت علیہ الرحمہ نے اس دائمی سکون کے ساتھ جو عادت شریفہ کا امتیاز تھا فرمایا ''حَکَم کون ہوگا؟'' طے پایا کہ معتبر و مستند کتابوں سے فیصلہ ہوگا۔ اللہ اکبر! ان آنے والوں کے مزاجوں میں تلاطم تھا۔ فتح کا نشہ تھا، بلا کا جوش تھا۔ حضرت علیہ الرحمہ نے احقر سے فرمایا ''الماری (حضرت علیہ الرحمہ کے کتب خانہ کی) کے فلاں خانہ میں سے اس نام کی کتاب نکال لاؤ —— کتاب پیش کر دی گئی —— یہ کتاب مصر کی چھپی ہوئی تھی۔ عربی ٹائپ میں زیر زبر پیش نہیں تھے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے ان عالم کی جانب کتاب بڑھاتے ہوئے فرمایا ''ذرا

کہیں سے اس کو پڑھ کر دکھائیں' عالم صاحب خفا ہو گئے، ''کیا آپ نے مجھے بچہ سمجھا ہے جو کتاب پڑھوا کر دیکھیں گے؟'' حضرت علیہ الرحمہ نے بڑے تحمل سے فرمایا ''کتاب کو حَکَم بنانا ہے کہیں سے دو چار سطریں پڑھیں میں دیکھوں کس درجہ کی کتاب پڑھ سکتے ہیں، کس قدر مفہوم سمجھتے ہیں پھر کتاب سے فیصلہ بھی تو لینا ہے؟'' مولانا کے ساتھیوں نے تجویز کی کہ ''آپ عالم ہیں تو پڑھنے میں کیا مشکل ہے'' عالم صاحب نے پڑھنا شروع کیا تو پڑھا نہ جا سکا۔ حضرت نے فرمایا ''اب کیا خیال ہے؟ پڑھنے میں زیر زبر پیش کے محتاج معلوم ہوتے ہیں تو مفہوم کیا سمجھیں گے اور کتاب کا فیصلہ کس طرح تسلیم کریں گے!'' عالم صاحب کو شرمندہ ہو کر جانا پڑا۔

حاضرین مجلس بھرے بیٹھے تھے کہ بھاگنے والوں کا مذاق اڑائیں گے مگر ان کے جاتے ہی حضرت علیہ الرحمہ نے قلم نکالا اور لکھنا شروع کیا۔ اُن مناظرہ والوں کے حوالے سے ایک لفظ بھی نہ فرمایا تو پھر کسی کی ہمت کیا تھی کہ زبان کھولے۔

○—— ایک بار محفل ارشاد جمعۃ المبارک میں حضرت مولانا ظفر علی نعمانی زید مجدہ نے بھی شرکت فرمائی۔ یہ ایک نامور مقرر تھے اور بڑے بڑے جلسوں میں لوگوں کے دل جیت لیتے تھے۔ حضرت علیہ الرحمہ اس مجلس مبارک میں خود ہی بیان فرمایا کرتے تھے اس روز مہمان عالم اور مقرر کی عزت افزائی کے خیال سے فرمایا ''آج آپ بیان فرمائیں۔'' مولانا ممدوح منجھے ہوئے مقرر تھے مگر حضرت علیہ الرحمہ کے سامنے پسینہ پسینہ ہو گئے۔ تعمیل حکم تو کر لی تھی دو چار جملے بمشکل ادا کئے اور جلدی سے آخِرُ دَعْوٰنَا —— کہتے ہوئے بیٹھ گئے۔ ❶

○—— حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے اپنے طالب علمی کے دور کا یہ واقعہ بھی سنایا تھا کہ جب وہ مدرسہ عالیہ عربیہ فتح پوری میں پڑھتے تھے تو ان کے استاد مولانا عبدالسمیع

❶ یہ واقعہ حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے سنایا تھا۔ مظہری

صاحب نے ان سے کہا کہ ''اپنے والد بزرگوار سے ہماری ملاقات کرا دیں۔'' ڈاکٹر صاحب موصوف نے کہا ''وہ میرے والد صاحب ہیں آپ میرے استاد دونوں بڑے ہیں میں چھوٹا سا طالب علم بڑوں کا تعارف کراؤں مناسب نہیں، آپ خود مل لیں'' استاد محترم نے کہا: ''کیسے جاتے ہوئے ہماری ہمت نہیں پڑتی۔ آپ ساتھ چلیں'' پھر استاد پیچھے اور شاگرد آگے۔ مولانا صاحب جب حجرہ شریفہ میں داخل ہوئے تو دروازے کے پاس بیٹھ گئے۔ بات کرنے کی ہمت نہ تھی، نیچی نظریں کیے دیر تک بیٹھے رہے۔ جب حضرت علیہ الرحمہ متوجہ ہوئے تو گفتگو ہوئی۔

اس سے بڑے تعجب کی بات یہ دیکھی کہ صاحبزادگان کی اپنے والد گرامی سے بات کرنے کی جرأت نہ ہو —— جب کہ بچے تھے تو حضرت علیہ الرحمہ کی گود میں پرورش پائی۔ بڑے ہوئے تعلیم کا آغاز کرایا سب کو پڑھایا، امتحانوں کی تیاری کرائی۔ حضرت اپنے ساتھ بچوں کو سیر کرانے بھی لے جاتے تھے۔ بس جیسے جیسے بچے بڑے ہوتے ادب سیکھتے اور ایسا ادب کرتے کہ لوگ حیران ہو جاتے۔

○—— احقر نے دیکھا کہ حضرت علیہ الرحمہ کے دوسرے بڑے صاحبزادے حضرت علامہ الحاج حافظ قاری حکیم مفتی محمد مشرف احمد صاحب علیہ الرحمہ جن کے بچے ماشاء اللہ جوان تھے۔ ہندوستان میں اس دور میں اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ نائب مفتی اعظم تھے۔ طریقت میں دو بزرگوں سے مجاز تھے، صاحب ارشاد تھے اور ان کے مرید بھی تھے۔ جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تو بڑے ادب سے سلام کرکے دو زانو بیٹھتے، حاضرین کے درمیان اس انداز سے جیسے کوئی عام آدمی ہو۔ جب حضرت علیہ الرحمہ کی نگاہ پڑتی اور اشارہ ملتا تو بات کرتے۔ اگر کسی وقت حضرت علیہ الرحمہ کھڑے ہوں تو دست بستہ سر جھکائے کھڑے رہتے۔ چلتے تو پیچھے پیچھے، بولتے تو آہستہ سے۔ اگر یہ کہنا ہو کہ ''آپ سے'' تو فرماتے ''حضرت سے'' گویا وہ بیٹے نہیں بلکہ وفادار مرید یا تابعدار خادم ہیں۔ حضرت علیہ الرحمہ کی طرف پیٹھ نہ کرتے تھے الٹے پاؤں پیچھے ہٹتے تھے۔

یہی حال حضرت علامہ قاری الحاج شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تھا وہ تو حضرت علیہ الرحمہ کے سامنے آتے ہوئے بہت ڈرتے تھے اور سب سے چھوٹے اور لاڈلے، صاحبزادے قاری ڈاکٹر محمد سعید احمد علیہ الرحمہ بھی خوب تھے۔ ادب میں سب کا انداز ایک جیسا ہی تھا۔ حضرت علیہ الرحمہ سرہند شریف جانے کا ارادہ فرما رہے تھے۔ احقر کو اجازت مل چکی تھی صاحبزادہ عالی قدر ڈاکٹر محمد سعید احمد کی بھی خواہش تھی مگر براہِ راست حضرت علیہ الرحمہ سے کہنے کی ہمت نہ ہوئی احقر کو اشارہ فرمایا تو احقر نے عرض کر دیا۔ اجازت مل گئی۔

سب سے بڑے صاحبزادے حضرت مفتی حافظ قاری حکیم محمد مظفر احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ایک صاحبزادے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود صاحب مدظلہ پاکستان میں تھے۔ ان کا انداز حاضری احقر نہ دیکھ سکا احقر نے جو بچشم خود دیکھا وہ لکھا۔

○ —— یہ بھی نوٹ کیا گیا کہ مدرسہ عالیہ کے بعض اساتذہ وطلباء جو ہوسٹل میں رہتے تھے حضرت علیہ الرحمہ کو آتے دیکھ لیتے تو آڑ میں ہو جاتے۔ اگر ان کا کمرہ قریب ہوتو اس میں چلے جاتے سامنے نہیں پڑتے تھے۔ صرف مفتی ولایت احمد صاحب تھے جو کسی فتوے کے سلسلے میں کبھی کبھی حاضر ہوتے۔ یہ مفتی مدرسہ تھے اور حضرت سے لگاؤ رکھتے تھے۔ اہل دیوبند کا مدرسہ تھا مگر سارے اساتذہ، طالب علم حضرت علیہ الرحمہ کا ادب کرتے تھے کسی کو سامنے آنے کی ہمت نہ تھی۔

یہ بات تو تاریخ کے ریکارڈ پر ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ کی ناراضگی کے خوف سے لوگ اپنے مشرب کے مشاغل بھی روک دیتے تھے، جب کہ دوسرے کسی بڑے سے بڑے بزرگ کے لئے ایسا احترام نہ ہوتا حضرت علیہ الرحمہ کی ہیبت کی مثال نہیں۔ ماہنامہ منادی نئی دہلی دسمبر ۱۹۶۰ء کا ایک اقتباس پیش ہے:

”دلی والوں نے ان کے خلوص کی اس تاثیر کا یہ کرشمہ تو آخر تک دیکھا کہ حضرت

مرحوم جن قوالی کے وقت درگاہ حضرت محبوب پاک یا کسی دوسری درگاہ یا خانقاہ میں حاضر ہوئے اور ان کو دیکھتے ہی صاحب سجادہ یا منتظمین نے قوال کو اشارہ کیا ہے کہ ساز اور مزامیر بند کر دو اور باجے کے بغیر کلام سناؤ! مفتی صاحب مرحوم زیادہ تر نقشبندیہ سلسلے میں بیعت لیتے تھے اور اس کے آداب کے مطابق باجے کے ساتھ قوالی نہیں سنتے تھے۔ تاہم دوسرے ہٹ دھرم مولویوں کی طرح وہ کسی کو نہ سننے پر مجبور بھی نہ کرتے تھے —— اور اس کوشش میں بھی نہ رہتے تھے کہ ایسے وقت درگاہوں میں حاضر ہوں جب قوالی نہ ہو رہی ہو۔ لیکن ان کی مرنجاں مرنج طبیعت اور زہد و ورع کا ہر شخص پر ایسا اثر تھا کہ ان کو دیکھتے ہی باجے بند کرا دیئے جاتے تھے اور کوشش ہوتی تھی کہ کوئی بات ان کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ حالانکہ ان کے برعکس جب ہندوستان کے دوسرے بڑے بڑے بارسوخ اور بااثر مخالف سماع علماء درگاہوں میں آتے تھے تو ان میں سے کسی کے لئے بھی باجے بند نہیں کرائے جاتے تھے اور مزامیر کے ساتھ قوالی جاری رہتی تھی۔“

○ —— بڑے بڑے قوی الجثہ، بے باک، مغرور بے ادب سینہ تان کر آتے تھوڑی دیر میں خود بخود ان کی گردن جھک جاتی تھی۔ ۷۰، ۸۰ سال کے بوڑھے بھی دوزانو بیٹھتے تھے امراء و روساء سب پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ بظاہر کوئی سبب ایسا نظر نہیں آتا تھا۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہے رحمت خاص فرمادے۔ خصائص نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی ہیبت عطا فرمائی کہ جو ایک ماہ کی مسافت کے فاصلے سے محسوس ہو۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اپنی شان جلالت سے خاص حصہ عطا فرمایا اور ایک خاص قسم کی ہیبت و رعب سے سرفراز فرمایا۔

تماشہ گاہ گیتی میں بہت کم آنکھوں نے یہ دیکھا ہوگا کہ جس کی ہیبت سے بڑے بڑے سنبھل جائیں۔ زبان کھولنے کی ہمت نہ پائیں۔ مخالف سامنے پڑنے سے کترائیں

بے ادب باادب ہو جائیں۔ اس نے خود بھی رعب کا اظہار نہ کیا ہو۔ کبھی اپنے مرتبہ و مقام پر فخر نہ کیا ان کا شیوہ عاجزی تھا بے حد عاجزی۔

○ —— ''مکاتیب مظہری'' جلد اول و دوم شائع ہو چکی تقریباً ہر خط میں حضرت علیہ الرحمہ نے اپنی عاقبت کے لئے دعاؤں کی درخواست کی ہے۔ ایک مرشد اپنے مریدوں سے، ایک بزرگ اپنے عزیزوں سے، اپنے چھوٹوں سے درخواست کر رہا ہے، دعا کی تاکید کر رہا ہے۔ مثلاً:

❶ ''طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی تمہاری دعاؤں سے پھر اصلی حالت پر آ گئی۔ حسن عاقبت کے لئے دعا کی ضرورت ہے۔ امید ہے اس دعا سے میری مدد فرمائیں گے۔''

❷ اس عالم میں جنت کے اندر آپ حضرات کا فقیر کو ہم نشین کرے —— مجھے دعا سے یاد رکھنا —— اپنے مولیٰ سے غافل نہ ہو اور مجھے دعا میں یاد رکھو۔

❸ حضرت محبوب الٰہی قدس سرہ (کے ہاں) میری علالت کی وجہ سے حاضری نہیں ہوتی اس کا رنج ہے۔ آپ کے طفیل میری حاضری قبول کر لیں تو ان کا کرم ہوگا۔

❹ میرا خط حضرت مولانا دامت برکاتہم کے پیش کرنے کے قابل کہاں تھا۔ اگر یہ قابلیت ہوتی تو میں خود ان کی جناب میں عریضہ ارسال کرتا۔ ان کی خدمت میں میرا سلام عرض کر دیں۔

❺ فقہی مسئلہ میں حضرت علامہ شاہ مفتی محمد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا:

''اگر میں نے ناجائز لکھا ہے تو مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔''

❻ احقر نے عرض کیا ''مجھے امتحان میں کامیاب کرا دیجئے۔'' فرمایا: ''میری کیا

حیثیت فقیر آپ کے لئے دعا کرے گا، آپ میری دعا قبول ہونے کی سفارش کریں۔''

❼ حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے حضرت علیہ الرحمہ کی سیرت مبارکہ تحریر کرنے کے لئے حضرت کی زندگی کے کچھ حالات و واقعات معلوم کرنے چاہے تو فرمایا: ''فقیر کے جملہ حالات خاندانِ مسعودیہ کے لئے باعث شرم ہیں۔'' اور کچھ نہ بتایا۔

حضرت ہندوستان کے مفتی اعظم تھے۔ جلیل القدر عالم تھے۔ عظیم المرتبت شیخ طریقت تھے۔ دنیا بھر میں شہرت تھی، بادشاہ بھی احترام کرتے تھے مگر کمال عاجزی یہ کہ کبھی اپنے لئے ''میں'' یا ''ہم'' نہیں فرمایا، ہمیشہ اپنے لئے ''فقیر'' کا لفظ استعمال فرمایا۔ اکثر باپ دادا اپنے بیٹوں، پوتوں کو ''تو'' کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔

''مالک اور افسر اپنے نوکروں یا ماتحتوں کو'' استاد اپنے شاگردوں کو اپنے پیر اپنے مریدوں کو اس طرح خطاب کرتے ہیں ماشاء اللہ حضرت کے صاحبزادے، پوتے، نواسے، ماتحت، شاگرد، مرید خادم محبین مخلصین سب تھے مگر کسی کو ''تو'' کر کے خطاب نہ فرمایا ہمیشہ ''آپ'' یا بھی ''تم'' استعمال فرمایا۔ جو دوسروں کا احترام کرتا ہے وہ عاجزی کا نمونہ ہوتا ہے۔

سخاوت

معاش و معاشرتی اعتبار سے حضرت علیہ الرحمہ نے ایک خوشحال اور معیاری زندگی بسر کی البتہ محدود وسائل اور فیاضانہ خرچ یہ معمہ حل نہ ہو سکا۔ تو لوگوں نے دست غیب کا نام لے دیا۔ شرفاء دہلی کے گھروں میں جس درجہ کا کھانا پینا رائج تھا وہی معیار حضرت علیہ الرحمہ کے گھر میں تھا۔ متمول گھرانوں جیسا لباس۔ گھر کے کسی بھی فرد کے کپڑے نہ پرانے نہ میلے حضرت علیہ الرحمہ تو روزانہ کپڑے بدلتے تھے۔ اُجلے اور نفیس۔ کسی خرچ میں تنگی کا احساس نظر نہیں آتا۔

1. معمول کے اخراجات کے علاوہ ذاتی لائبریری کے لئے قیمتی کتابوں کی خریداری۔
2. کوئی سائل آ جائے تو خالی ہاتھ نہیں جائے گا۔ عربی لباس میں آنے والا کچھ زیادہ لے جائے گا۔
3. غریب اقرباء کے کتنے ہی گھر تھے جہاں خاموشی سے صاحبزادگان کے ہاتھوں امداد بھجوائی جاتی تھی خصوصاً رمضان میں۔
4. ہر جمعہ کو محفل کے بعد نعت خوانوں کو فراخ دلی سے رقوم عطا فرماتے جس زمانے میں چپراسی کی تنخواہ پچاس روپے ہوتی تھی بیس پچیس روپے ہر ایک کو ہر جمعہ کو (سوے سوا سو ماہانہ) عطا فرماتے تھے۔ اتنی بڑی رقم سے ایک بڑا کنبہ آسانی اور فراخی گزارہ کرتا تھا۔
5. بقول غلام قادر خاں صاحب زیدہ مجدہٗ "کتنے ہی گھر حضور کی امداد سے چلتے تھے۔"

6. رمضان المبارک میں ایک ٹوکن دیا کرتے تھے جس کو دکھا کر فراش خانہ کے ہوٹل سے سحری اور افطار کا کھانا مل جاتا تھا۔
7. مسجد کی دکانوں میں ایک بمبئی ہوٹل تھا اور سامنے شاہجہاں پوری ہوٹل، ان کی مہر لگی ہوئی پرچیاں Token موٹی موٹی گڈیاں حضرت علیہ الرحمہ کے پاس ہوتی تھیں۔ مسجد کے دروازہ کٹرہ بڑیان کی طرف ''جانی پشاوری ہوٹل'' تھا جہاں صرف حضرت علیہ الرحمہ کے نام لینے سے ہر وقت کھانا مل جاتا تھا۔

کہاں کہاں امدادی رقوم جاتی تھیں پوشیدہ و پوشیدہ۔ ماہنامہ ''منادی'' دہلی نے لکھا:

''خدمت دین کے سلسلہ میں ''منادی'' کے طریقہ کو پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً مالی امداد اس تاکید کے ساتھ بھجواتے تھے کہ کسی کو اس کا علم نہ ہونے پائے۔ وصال سے دو تین ماہ پہلے بھی جب درگاہ حضرت محبوب پاک میں انہوں نے آخری حاضری دی تو علالت اور کمزوری کے باوجود دفتر میں تشریف لائے اور تقریباً ایک گھنٹہ تک تشریف فرما رہے اور امدادی رقم پیش کی اور میرے انکار پر فرماتے:

''بھئی یہ تو ''منادی'' کی نذر ہے تم انکار کیوں کرتے ہو۔ ماشاء اللہ منادی سے بہت اچھا کام لے رہے ہو۔ تمہارے والد کی روح بڑی خوش ہوتی ہوگی۔''

○—— پاکستان بنا تو راجستھان کے دیہاتوں میں ہندوؤں نے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے۔ بہت سے مسلمان دہلی آ گئے اور فتح پوری مسجد میں پناہ لی۔ حضرت علیہ الرحمہ نے جب تک دور ہے ان کی مہمانداری کی۔ اخراجات خود برداشت کئے۔

○—— دہلی میں فسادات ہوئے تو زخمی غم زدہ اور بدحال مسلمان پہاڑ گنج سبزی منڈی کے علاقوں سے قافلہ بن کر چلے۔ ان کے لئے پہلی پناہ گاہ فتح پوری ہی تھی۔ جس میں حضرت علیہ الرحمہ تیمارداری فرما رہے تھے اور بے دریغ خرچ کر رہے تھے اور یہ مسئلہ حل نہ

ہوا کہ آتا کہاں سے ہے؟ اول تو پوچھنے کی جرأت کس کو، اگر پوچھ ہی لیا تو ایک ہی جواب تھا:

''اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے۔''

○ــــ اوقاف کمیٹی نے حضرت علیہ الرحمہ کو جھکانے کے لئے چھ ماہ تک نذرانہ روکا انہیں حیرت ہوئی کہ حضرت علیہ الرحمہ کے خرچ کرنے کا انداز وہی رہا۔ بالآخر کمیٹی جھکی اور ادب سے نذرانہ پیش کیا جانے لگا۔ ایک بار اوقاف کے ناظر نے اظہار ہمدردی کیا کہ ''حضرت ایک درخواست لکھ دیں تو نذرانہ کی رقم جو بہت ہی مختصر ہے، بڑھوادوں'' حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا: ''بفضلہ میرا آسانی سے گزارا ہو جاتا ہے مجھے اضافہ کیلئے درخواست دینے کی ضرورت نہیں۔ البتہ دربانوں، موذنوں اور فراشوں کی تنخواہ بڑھا دی جائے۔''

ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست کے فرماں روا میر عثمان علی خاں سے جامع مسجد کے شاہی امام سید احمد دہلوی نے ملاقات کی تو نواب صاحب نے 500 روپے وظیفہ مقرر فرما دیا۔ خواجہ حسن نظامی نے بڑی کوشش کی کہ حضرت علیہ الرحمہ بھی ایک ملاقات کر لیں 500 روپے ماہانہ وظیفہ مل جائے گا، زندگی عیش سے گزرے گی (یہ رقم آج کے تقریباً پچاس ہزار روپے ہیں) مگر حضرت نے قبول نہ فرمایا۔ مولانا منور حسین سیف الاسلام نے اپنے ایک خط میں لکھا کہ خواجہ صاحب کو بڑا ملال تھا تو مولانا سیف الاسلام نے کہا مولانا مظہر اللہ تو ضرورت مندوں پر خود ہزاروں خرچ کر دیتے ہیں انہیں 500 کا لالچ نہیں'' تو خواجہ صاحب نے پوچھا آخر اتنا روپیہ مولانا مظہر اللہ کے پاس کہاں سے آتا ہے؟

○ــــ اکثر مشائخ، مریدین سے نذرانہ لیتے ہیں۔ احقر نے پندرہ سال میں کبھی ایک بار بھی نذرانہ لیتے نہ دیکھا، قبول کیا تو محتاج وضرورت مند کو خاموشی سے دے دیا۔

○ــــ حضرت علیہ الرحمہ جب پاکستان آئے تو بہت سے حضرات نے نذرانے پیش کئے لیکن جب واپس تشریف لے جانے لگے تو حاضرین میں سے جن کو حقدار سمجھا مٹھی بھر بھر کر ساری رقم تقسیم فرمادی۔

○ــــ ایک صاحب نے حضرت علیہ الرحمہ کو کچھ رقم منی آرڈر سے بھیج دی تو ناراضگی کا اظہار فرمایا: ''تم نے منی آرڈر کی تکلیف کیوں کی؟ مجھ پر گراں ہوتا ہے ہرگز ایسا نہ کیا کرو۔''

○ــــ پاکستان سے ایک صاحب نے کچھ پیش کرنا چاہا تو تحریر فرمایا: ''رقم وہیں کسی غریب کو دے دیا کریں اور اس کا ثواب مجھے پہنچا دیا کریں۔''

ایک صاحب کو لکھا: ''جو کچھ یہاں بھیجنا چاہتے ہو خود ہی مستحق کو دے دینا۔''

ایک صاحب کو لکھا: ''میری طرف سے کسی غریب کو خود ہی دے دیا کرو۔''

ایک صاحب کو لکھا: ''ملازمت کی حالت میں تم دوکانداری کس طرح کرو گے ورنہ میں رقم دے دیتا ـــــ نہ معلوم کتنے لوگوں کی رقمیں دیتے رہے۔''

حضرت علیہ الرحمہ کے فیض کا یہ عالم ہے کہ الحمدللہ آپ کے مریدین بھی ماشاء اللہ سب ہی کھاتے پیتے ہیں۔ اکثر لوگ اپنے ذاتی مکانوں میں رہتے ہیں اور اپنے کاروبار کرتے ہیں۔ حضرت علیہ الرحمہ نے ایک بار فرمایا:

''میری دعا ہے کہ میرے احباب (مریدین) خوشحال رہیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب یکسوئی سے متوجہ رہیں۔''



کم گوئی

مَن کان یومن باللہ والیوم الآخر
فلیقل خیراً اویصمت ٥ (الحدیث)

''جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا ہے،
وہ خیر کی بات کہے یا خاموش رہے۔''

کم بولنے اور زبان کو قابو میں رکھنے کے بارے میں کئی احادیث طیبہ ارشاد ہوئی ہیں یہاں تک کہ ایک حدیث مبارکہ میں زبان کو قابو میں رکھنے والے کے لئے جنت کی ضمانت بھی دی گئی ہے۔ ظاہر ہے انعام جتنا بڑا ہوتا ہے کام بھی اتنا ہی مشکل ہوتا ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے ایسا کامل اتباع کیا کہ نظیر مشکل ہے۔

آپ نے اہل خانہ، مریدین، مخلصین سب کی تربیت فرمائی۔ آپ نے ہدایت فرمائی۔ ''ضرورت کے وقت اور اس کے مطابق کلام کے سوا سکوت اغلب رہے۔''

ایک بار احقر سے فرمایا ''ایک بار سبحان اللہ کہنے کا انعام دیکھو گے تو کہو گے کہ اتنی مہلت مل جائے کہ دنیا میں جا کر پھر ایک بار سبحان اللہ کہہ سکوں مگر مہلت نہیں ملے گی۔ اس لئے اپنے ایک ایک لمحہ کو کام میں لاؤ غیر ضروری باتوں سے پرہیز کرو۔''

ایک مثال: حضرت علیہ الرحمہ سرہند تشریف لے جارہے تھے۔ احقر نے ہمراہ جانے کی خواہش کی تو جواب ملا ''چلیں'' پھر قاری عرفان اللہ مظہری زیدمجدہ نے اشارہ کیا احقر نے پھر عرض کیا کہ ''حضور! قاری عرفان اللہ بھی اجازت چاہتے ہیں۔'' فرمایا: اچھا!'' اس سے کم الفاظ ممکن نہ تھے اور جواب مکمل تھا۔

حضرت علیہ الرحمہ بسیار گوئی کی ہلاکت سے واقف تھے۔ اس مرض کے اسباب پر بھی گہری نظر تھی کہ کس طرح احساس کمتری کا شکار ——— کردار کے اعتبار سے کھوکھلے ——— اپنی خامیوں کی پردہ پوشی کے لئے بے چین ——— خودنمائی کے طلب گار ——— زیادہ بولا کرتے ہیں اور گناہ سمیٹتے ہیں مشہور قول ہے: مَنْ کَثُرَ کَلَامُہٗ فَکَثُرَ ذُنُوْبُہٗ۔ (زیادہ باتیں کرنے والے زیادہ گناہوں کے مرتکب ہو جاتے ہیں) جب کہ خاموشی کے فائدے انمول ہیں کہ ''خاموشی بغیر مشقت عبادت ہے'' ——— بغیر زیور زینت ہے'' ——— ''بغیر حکومت ہیبت ہے'' ——— یہ بھی مشہور ہے کہ خاموشی عالم کی زینت اور جاہل کی پردہ پوشی ہے۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کی تعداد ان کے قلم سے نکلے ہوئے الفاظ کی تعداد سے کم تھی۔

ایک خاص وصف یہ کہ عموماً جب تک کوئی نہ پوچھے خود نہیں فرماتے تھے۔ کبھی واقعات نہیں سناتے تھے۔ کبھی اپنے روحانی احوال کی طرف اشارہ بھی نہیں فرماتے تھے۔ سفر کے بعد سفر کے واقعات سب ہی سناتے ہیں۔ حضرت علیہ الرحمہ نے ایسا کبھی نہ کیا— بوڑھے جوانوں اور بچوں کو اپنے بیتے دنوں کی یادیں سنا کر بڑا سکون محسوس کرتے ہیں— کبھی ایک جملہ زبان مبارک پر نہ آیا آپ کی عمر شریف تو ۸۰ سال سے تجاوز کر گئی تھی ——— کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکا کہ یہ خموشی بکوشش طاری کی ہے ——— چہرہ انور نہایت پر سکون تھا۔

جوامع الکلم:

نور الانوار سید الابرار علیہ افضل الصلوۃ والسلام کا ایک خوبصورت لقب ''جوامع الکلم'' ہے۔ آپ جو کچھ ارشاد فرماتے وہ کلام فصیح و بلیغ تو ہوتا ہی تھا نہایت جامع بھی ہوتا تھا بہت بڑی بات کو انتہائی کم الفاظ میں ادا فرما دیتے تھے اور سننے والے کی سمجھ میں بات آجاتی تھی۔

یقیناً یہ بڑا مشکل کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کا فیض تھا کہ حضرت علیہ الرحمۃ کو اس میں ملکہ حاصل ہو گیا۔ آپ جب بھی گفتگو فرماتے تو بہت کم الفاظ استعمال فرماتے۔ جب تحریر فرماتے تو یہ وصف نمایاں رہتا۔ چنانچہ آپ نے جو فتاویٰ تحریر فرمائے ان کے جوابات جامع مختصر اور سلجھے ہوئے انداز میں "فتاویٰ مظہری" (مطبوعہ) شاہد ہیں۔ جن سوالات کے جواب حضرت علیہ الرحمۃ نے ایک دو سطروں میں مکمل دے دیئے، وہ سوال دوسرے مفتی صاحبان اس قدر کم الفاظ میں نہیں دے سکیں گے۔

یہی حال خطوط کا ہے۔ لکھنے والا جو یاد آتا جاتا ہے لکھتا جاتا ہے کئی کئی صفحے بھر دیتا ہے۔ جواب چند سطروں میں پا کر مطمئن ہے کہ میرے مسئلے حل ہو گئے۔ برادر طریقت غلام قادر خان زید مجدہ اپنے ایک مکتوب مورخہ ۱۱ رجون ۱۹۹۰ء بنام حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

"ایک مرتبہ میں نے حضور قبلہ عالم علیہ الرحمۃ کی خدمت میں دہلی شریف خط لکھا۔ تو میں عشاء کی نماز کے بعد حضور کی خدمت میں خط لکھنے بیٹھا اور برابر لکھتا رہا یہاں تک کہ صبح کی اذان ہو گئی۔"

نہ معلوم ان ہزاروں خطوط لکھنے والوں میں غلام قادر خاں صاحب جیسے کتنے ہوں گے جو لذت خطاب حاصل کرتے تھے لکھتے چلے جاتے تھے۔ اور ان کے جواب کتنے مختصر ہوتے تھے۔ الحمد للہ! "مکاتیب مظہری" جلد اول و دوم شائع ہو چکی اس سے بڑھ کر شہادت کیا ہو سکتی ہے۔

حسن کلام:

ایک وصف "حسن کلام" بھی تھا۔

آواز دھیمی، لہجہ میں متانت اور شفقت کی آمیزش، کبھی کسی سے ترش روئی سے

گفتگو نہ فرماتے تھے۔ نہ کسی پر غصہ ہوتے دیکھا۔ نہ کسی جملہ میں طعن ہوتا، یا کوئی دلخراش بات۔ لوگ مناظرہ کرنے آئے۔ مقابلہ کرنے آئے، مگر کبھی مزاج پر اثر نہ ہوا۔ کوئی رندانہ انداز سے کمرہ میں داخل ہوا تھوڑی دیر بیٹھا اور غلامانہ انداز سے چلا گیا۔ حضرت علیہ الرحمۃ نے فخر نہ فرمایا۔ اپنے لئے "ہم" استعمال نہ کیا۔ حضرت کی تحریر سے بھی ثابت ہے عموماً اپنے لئے فقیر کا لفظ استعمال فرماتے۔ اسی طرح گفتگو میں کبھی تعلّی نہ فرمائی۔ مریدین، بچے، شاگرد، ماتحت عملہ کسی سے بھی "تو" کر کے بات نہیں کی۔ نہ کسی کو ڈانٹا نہ زور سے بولے۔ وہ جانتے تھے "اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ" حضرت علیہ الرحمۃ عموماً بھی جذباتی نہ ہوتے۔ البتہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس انداز کا ہو یا کسی عزیز یا مرید مخلص یا عالم کی موت کا سن کر چہرہ مبارک مغموم ہو جاتا کبھی چند آنسو بھی نکل آتے۔ مسرت کے موقع پر چہرہ انور پر عجیب سی چمک آجاتی لیکن کبھی قہقہہ نہ لگایا۔ خوشی کے مواقع پر بھی بلند آواز نہ ہوتی تھی۔ ادھر لب کشائی ہوئی اور حاضرین ہمہ تن گوش ہو جاتے۔

☆......☆......☆......☆......☆

معمولات مبارکہ

کائنات کو چلانے والا کسی کو نظر آئے یا نہ آئے دنیا کے کاموں کا چلنا تو سب کو نظر آرہا ہے۔ ہر سو زندگی رواں دواں ہے۔ چاند کا نکلنا نظر آرہا ہے۔ سورج کا ڈوبنا نظر آرہا ہے۔ ہر مظہر فطرت کُلٌّ یَجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی اپنے وقت پر کام کررہا ہے۔ یہی فطرت کا منشاء ہے۔ یہی نظام کائنات ہے اسی میں زندگی ہے، اسی میں پائندگی ہے، اسی میں بندگی ہے۔ اسی میں تابندگی ہے۔

بچپن سے ہی حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کے شعور میں پختگی کے آثار نمایاں نظر آرہے تھے۔ مزاج میں متانت اور سنجیدگی اس قدر گویا Grey head on Green Shoulders کا محاورہ صادق آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے قوت مشاہدہ بھی قوی پائی تھی۔ چھوٹی سی عمر میں غور وفکر سے یہ راز پالیا۔ یا اللہ نے ان کے قلب میں الہام فرمادیا کہ کاروبار زندگی احسن طریقہ پر چلانے کے لئے نظم وضبط انتہائی ضروری ہے۔ بہترین فوج بہتر Discipline سے بنتی ہے۔ بہترین حکومت ''عدل'' سے چلتی ہے۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی زندگی میں نظم وضبط حیرت انگیز طریقہ پر غالب نظر آتا ہے نجی معاملات میں پنج وقتہ نمازوں کی طرح اوقات مرتب تھے، مثلاً

❶ تہجد سے اشراق تک —: عبادات

❷ اشراق تا ظہر —: اشراق کے بعد ناشتہ۔ صاحبزادیوں، پھر پوتوں کو پڑھانا تقریباً ساڑھے دس بجے تک ان ہی اوقات میں عورتوں کو حاضر ہونے کا موقع ملتا۔ مسائل پوچھنے دعا یا کسی کام کے لئے بچوں کی موجودگی میں اگر کوئی نہ آیا تو تکنیکی کام۔

دستکاری وغیرہ مثلاً کتاب کی جلد بنانی، بچوں کی کتابیں درست کرنا، کتابوں پر کاغذ چڑھا دینا، یا کسی چیز کی مرمت کرنا وغیرہ۔ بیک وقت دو کام کرتے رہتے تھے۔ پڑھا کر فارغ ہوئے تو غسل، لباس تبدیل کرنا، کھانا تناول فرمانا، لکھنے پڑھنے کے علاوہ جو کام ہوں انجام دینا۔ ۱۲ بجے مسجد تشریف لے جاتے۔ اپنے حجرہ مبارک میں کچھ دیر قیلولہ فرماتے۔

❸ ظہر تا عصر —: نصف وقت لوگوں کے لئے کوئی مسائل پوچھنے آتا کوئی ملاقات کے لئے، کوئی دعا تعویذ کے لئے وغیرہ، ساڑھے تین بجے حجرہ بند ہو جاتا۔ بیرونی ڈاک، فتاویٰ اور خطوط کے عصر تک جواب تحریر فرماتے رہتے۔

❹ عصر تا مغرب —— (ننھے منوں کی عید) عصر کے بعد گھر تشریف لے جاتے تو چھوٹے چھوٹے پوتوں پوتی اور قرآن شریف پڑھنے والے بچے (۱۰ سال کی عمر تک کے بعض مریدین کے بچے گھر پر پڑھنے آتے تھے) حضرت علیہ الرحمہ سب کی خاطر مدارات کرتے تھے، بچوں کی پسند کی کوئی ایک چیز روزانہ سب کو عنایت فرماتے، مثلاً کبھی بسکٹ کبھی دال سیو یا کوئی پھل وغیرہ سب بچے کھیلتے۔ حضرت علیہ الرحمہ بہت لطف اندوز ہوتے مگر ساتھ ساتھ ان کی پیار سے تربیت فرماتے رہتے۔ تہذیب سکھاتے رہے، یہی اس کھیل کا پس منظر ہوتا تھا۔

❺ مغرب تا عشاء —— مغرب کی نماز پڑھ کر کھانا تناول فرماتے۔ پھر بچوں کا سبق سنتے۔ صاحبزادیوں، صاحبزادوں کا تعلیمی کام چیک کرتے۔ جب پوتے پوتیاں پڑھنے کے قابل ہوئیں تو انہوں نے جگہ لے لی۔ عشاء کے بعد مطالعہ فرماتے تقریباً ۱۰۔۱۱ بجے استراحت فرماتے۔ یہ مستقل معمولات تھے۔

نظم وضبط میں اہم ترین چیز وقت ہے۔ یہ دولت ہے اور اس کا بھی حساب ہوگا سلئے ایک لمحہ بھی ضائع ہونے نہیں دیتے تھے۔ کچھ ثانوی کام بھی ذہن میں رہتے تھے کہ اگر

معمولات میں سے کہیں چند لمحے ہاتھ آجائیں تو ان کو بھی مصرف میں لے لیا جائے۔ اوقات کے چھوٹے بڑے حصوں کو اس طرح ترتیب دیا ہوا تھا جیسے مالا جس میں چھوٹے بڑے موتیوں کو ترتیب سے پرو دیا جائے تو حسینانِ جہاں گلے سے لگا لیتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ نہ ایسے عالم دین تھے جن کو پڑھنے لکھنے کے علاوہ کوئی کام عار معلوم ہوتا ہو۔ نہ ایسے پیر طریقت تھے جو مریدین سے خدمت لینا اپنا حق سمجھتے ہوں۔ اتباع سنت کے پیش نظر اپنا کام خود کرنا پسند فرماتے تھے، بلکہ ان کو گھر والوں کی سہولت کے لئے کچھ کام کرنا اچھا لگتا تھا۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ اپنے کمرہ کی جھاڑو دینا صفائی بستر وغیرہ کی درستگی بھی فرمالیتے تھے۔ آپ کو کپڑا سینا، کروشیے سے بنا، جوتے مرمت کرنا، چارپائی بننا، کھانا پکانا کتابوں کی جلدیں بنانا، گھڑی گھنٹہ کی مرمت، گلکاری بھی آتا تھا۔

کام، کام، کام اس شوق کا اثر تھا کہ اکثر ایک وقت میں دو کام کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ خاص طور پر جب بچوں کو سبق یاد کرانا، ان کا سبق سننا ہوتا تو ان کو بتاتے رہتے اور ہاتھ سے بھی کچھ کرتے جاتے تھے۔ کاغذی پھول پتیاں ہی بناتے رہتے۔

ایک بار حضرت علیہ الرحمہ، مفتی کفایت اللہ مرحوم کے گھر تشریف لے گئے۔ ❶ مفتی صاحب موصوف چارپائی بن رہے تھے۔ جلدی سے چارپائی پر چادر وغیرہ ڈال دی اور حضرت علیہ الرحمہ کو اندر بلالیا۔ تھوڑی ہی دیر میں حضرت نے اندازہ لگایا اور مفتی صاحب سے فرمایا: ''آئیے جو کام باقی رہ گیا ہے وہ بھی پورا کرلیں اور باتیں بھی کرتے جائیں۔'' مفتی صاحب مرحوم نے کچھ تکلف کیا پھر تعجب سے پوچھا 'چارپائی بننا آپ کو بھی آتا ہے؟'' پھر دونوں حضرات مل کر بننے لگے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے ایک خوبصورت ڈیزائن ڈال دیا، مفتی کفایت اللہ حیران رہ گئے۔

❶ مفتی صاحب آخر میں اپنے سابقہ عقائد سے تائب ہو گئے تھے اور یہ بات کافی مشہور ہوئی تھی۔ ان کی وصیتیں اس پر شاہد ہیں۔ مظہری

حضرت علیہ الرحمہ اپنے ہاتھ سے کروشیے سے ٹوپی بُن لیا کرتے۔ ایک صاحبزادی صاحبہ کو بھی سکھا دیا تھا کبھی وہ بھی بن کر دیتی تھیں۔ اس کے لئے حضرت نے ایک قالب بنوایا ہوا تھا۔ خود ٹوپی دھو کر کلف دیتے اور قالب پر چڑھا دیتے۔ آج کل پاکستان بلکہ سب ہی ملکوں میں جالی دار بنی ہوئی ٹوپیاں استعمال ہوتی ہیں مگر ان میں باڑھ (اونچائی نہیں ہوتی سر پر چپک جاتی ہیں) حضرت جو ٹوپی زیب سر فرماتے تھے اس کی اونچائی کلف کے ذریعے قائم رہتی تھی اور بہت خوشنما لگتی تھی۔

حضرت علیہ الرحمہ کے کتب خانہ میں دس ہزار سے زائد ضخیم کتابیں تھیں۔ ان میں کچھ ایسی بھی تھیں جو وراثتاً ملی تھیں۔ کچھ نایاب اور قلمی تھیں کچھ پرانی ہی مل سکی تھیں۔ اس لئے ان میں مرمت کا کام لگا ہی رہتا تھا۔ پھر سجانے کے لئے تو نہ تھیں خود مطالعہ فرماتے رہتے صاحبزادگان اور بعض علما بھی استعمال کرتے تھے۔

مسجد کی حفاظت کے لئے ۱۹۴۷ء کے فسادات میں حضرت علیہ الرحمہ نے مسجد میں رہائش اختیار کرلی۔ ان دنوں آپ خود ہی اپنا کھانا پکاتے تھے۔ بلکہ دو تین خادم جو مسجد میں پہرہ دیتے تھے ان کو کھانا کھلا دیتے تھے۔

کبوتروں کی کونڈیاں روزانہ خود دھوتے اور تازہ پانی ڈالتے، باجرہ بھی صاف کر کے کھلاتے تھے۔

خوشنویسی کا فن بھی آتا تھا کبھی کبھی کوئی عمدہ رباعی اردو، فارسی یا عربی کی پسند آئی تو تحریر فرمادیتے جو بطور کتبہ آویزاں کی جاسکتی تھیں، کتابوں کے نام وغیرہ خوشخط تحریر کرتے، حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی طبیعت بڑی جدت پسند تھی۔ ٹیکنیکل یا میکینیکل Mechanical کاموں میں ذہن خوب کام کرتا تھا۔ اگر دینی ذمہ داریاں نہ اختیار کرتے تو نہ معلوم کتنی چیزیں ایجاد کرتے۔ کیسی کیسی مشینیں بناتے۔ ان کے پاس بہت ہی قسم کے

اوزار تھے۔ معلوم ہوتا ہے یہ حضرت کی **Hobby** تھی۔ اس میں راحت ملتی تھی۔ ایک بار احقر سے ارشاد فرمایا:

''جب قلب کی حالت خراب ہوتی ہے تو میں خود کو مکینیکل کاموں میں لگا لیتا ہوں، افکار کو بھولنے کی یہ ایک کوشش یا حیلہ ہوتا ہے۔''

اللہ اکبر! خالق کائنات کی صناعی پر غور کرنے والے ذہن معمولی حالت میں ہوتے ہیں تو کیا کچھ تخلیق کر دیتے ہیں، کون یقین کرے گا کہ آج جس کمپیوٹر کے ذریعے دُنیا کے بڑے بڑے نظام چل رہے ہیں اس کا ایک تصور حضرت علیہ الرحمہ نے ۶۰ سال پیشتر پیش کر دیا تھا۔ قلیتوں کا تعارف کراتے ہوئے اس میں کبوتروں کو ٹھہرایا تھا۔ دھوپ گھڑی، پتھر پر بنی ہوئی کبھی غلط ٹائم نہیں بتاتی۔ [1] نہ جانے کیا کیا بنا دیا تھا۔

احقر کی درخواست پر حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ نے چند ایجادات کا ذکر اپنے دست مبارک سے لکھ کر دے دیا بعض باتیں زبانی بتائیں اس کو یہاں نقل کرتا ہوں۔

''حضرت کی طبیعت ایجاد پسند تھی اور کفایت پسند (بھی) صفحات پر لائنیں ڈالنے کے لئے گتے کا ایک فرما بنایا تھا جو صفحہ کے طول و عرض کا تھا۔ جس طرح لائنیں مطلوب ہوتیں ایسا ہی فرما بنایا جاتا، ایک فرما یوں بنایا کہ پہلے گتے میں مطلوبہ فاصلہ کے خانوں کے لئے مطلوبہ فاصلہ پر دھاگا لگایا، عمودی پھر اسی طرح افقی دھاگے لگائے۔ اس طرح دھاگوں سے فرما تیار کیا، اب جب صفحہ پر لائنیں ڈالنی ہوتیں تو اس فرمے پر صفحہ رکھ کر ہاتھ سے دباتے جاتے اور لائنیں ابھرتی جاتیں اس طرح مطلوبہ خانوں کا صفحہ تیار ہو جاتا۔ اس طرح حضرت نے قلم سے لائنیں ڈالنے کی کلفت سے بچالیا۔''

[1] ان میں سے دھوپ گھڑی جامع مسجد شاہجہانی میں بھی لگی ہوئی ہے۔ کئی اور ایجادات احقر نے خود دیکھی ہیں۔

جس زمانے میں حضرت قبلہ علیہ الرحمہ سے علم توقیت کی تحصیل کر رہے تھے (۱۹۲۰ء/۱۹۳۶ء) اس زمانے میں حضرت نے یہ علم سکھانے کے لئے جمع ضرب وغیرہ کے لئے **Calculator** ایجاد کئے۔ یہ ٹین کے بنے ہوئے خیمہ کی شکل کے تھے۔ تقریباً چھ انچ لمبے اور پانچ انچ اونچے، اس کے اندر ایک ریل ہوتی جس پر مختلف اعداد ہوتے۔ یہ ریل کپڑے کو کلف دے کر بنائی تھی۔ اس ایجاد کے سامنے (کے حصے میں) آدھا انچ جگہ کھلی رہتی جس کے سامنے 1 سے 0 تک مستقل اعداد ہوتے۔ جب ریل گھمائی جاتی تو مطلوبہ نمبر آنے کے بعد لکھے ہوئے اعداد کو جمع کیا جاتا یا تفریق۔ پھر باقاعدہ عمل کیا جاتا اور مطلوبہ تاریخ اور دن کا مطلوبہ وقت معلوم ہوتا۔ ایک تاریخ کے ایک دن کے وقت معلوم کرنے میں ایک صفحہ کا عمل ہوتا۔

حضرت سے جب یہ پوچھا گیا کہ ریل میں جو اعداد ہیں وہ تو آپ نے حل کر کے مرتب کئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ شروع سے عمل کریں۔ حضرت نے فرمایا یہ عمل تو بہت لمبا ہوگا۔ چنانچہ ہماری خواہش پر جب پھر عمل کیا گیا تو تین چار صفحات میں آیا جبکہ حضرت نے ایک صفحہ میں مختصر فرما دیا۔

حضرت بیٹوں پوتوں کو ابتداء میں خود پڑھاتے اور لکھنا سکھاتے۔ لکھنے کے لئے اس زمانے میں تختیاں ہوتی تھیں جن پر کٹ خطوں میں حروف تہجی لکھ کر بچوں کو دیتے وہ اس پر ہاتھ پھیرتے، استاد کو دکھاتے، پھر تختی کو دھو کر ملتانی لگا کر سکھاتے پھر یہی عمل کرتے اس کے بعد بچے خود لکھنے لگتے۔

حضرت نے تختی کے عمل سے یوں بچایا کہ لوہے کے ایک فریم میں حروف تہجی خوبصورت لکھ کر رکھ دیتے۔ یہ فریم اوپر سے کھلا ہوتا تا کہ شیشہ نکال لیا جائے۔ اوپر سے شیشہ چڑھا دیتے۔ پھر بچہ اس شیشہ پر حروف تہجی دیکھ دیکھ کر ہاتھ پھیرتا۔ بعد میں شیشہ

نکال کر حروف تہجی کو دیکھ لیا جاتا۔ اس طرح بچوں کی محنت بھی بچ جاتی ان کا وقت بھی بچ جاتا جو تختی کو دھونے اور سکھانے میں لگتا پھر ان بچوں کا خط بھی خوبصورت ہوتا۔ آج کل سوائے ضیاع کے کچھ نہیں، بچے تو بچے استادوں کو لکھنا نہیں آتا۔

حضرت علیہ الرحمہ کو کبوتروں، پرندوں سے محبت تھی۔ بالعموم لوگ کبوتروں کے لئے کابک بناتے ہیں۔ حضرت علیہ الرحمہ نے کبوتروں کے لئے خوبصورت دو منزلہ فلیٹ بنائے جب کہ دہلی میں اس زمانے میں فلیٹ قسم کی کوئی عمارت بھی نہ تھی۔ یہ فلیٹ ایک ایک کمرہ کے ہوتے (دروازے محراب نما) باہر برآمدہ، اسی طرح دوسری منزل۔ یہ فلیٹ حضرت اپنے دست مبارک سے بناتے۔ لکڑی پر لوہے کی چادر پھر ان پر سفید روغن کیا جاتا۔ ہر کمرہ میں ایک جوڑا۔ جب کبوتر اپنے اپنے فلیٹ سے باہر جھانکتے تو بہت بھلے معلوم ہوتے۔ آج کل مکینوں کے لئے رہنے کی جگہ نہیں ملتی۔ حضرت نے پرندوں کی آسائش کا اتنا خیال فرمایا ان کے لئے فلیٹ بنائے سبحان اللہ۔

گھر کی دو چھتی پر پتھر کی دھوپ گھڑی لگی تھی جو حضرت نے لگائی تھی اور بالکل صحیح وقت دیتی تھی۔ تقریباً ۳-۴ من کی ہوگی۔ یہ سنگ سرخ کی تھی اور سنگ مرمر کا نصف دائرے والا پتھر لگا تھا جس کے بیچ میں ایک زاویہ نما تانبے کی پلیٹ سنگ مرمر کے پتھر پر نصف دائرے میں دائیں سے بائیں گھنٹوں کے ہندسے کندہ تھے۔ ہر ہندسے کے درمیان پاؤ گھنٹے۔ آدھے گھنٹے کی لکیریں کندہ تھیں۔ جب سورج کی روشنی پڑتی تو اس کا سایہ ایک خاص انداز سے جب کسی ہندسہ پر پڑتا یا ہندسے کے بعد کسی لکیروں پر پڑتا تو وقت ظاہر ہوتا۔ یہ ایسی دائمی گھڑی تھی جس کے خراب ہونے کا اندیشہ ہی نہ تھا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے احقر کو سنایا، ایک روز وہ حضرت قبلہ کے پاس بیٹھے سبق سنا رہے تھے۔ حضرت نے اسی دوران ایک کاغذ کو تہہ بہ تہہ موڑا اور قینچی سے اس

کے کنارے تراشے، پھر اس کاغذ کی تہہ کھول دیں۔ کاغذ پر چنبیلی کی خوبصورت بیل کٹنگ سے بن گئی تھی۔ جب سبق سنا چکے تو حضرت نے وہ کاغذ پر بنی ہوئی بیل صاحبزادہ گرامی کو دی اور فرمایا کہ ''اپنی والدہ کو یہ دے دو یہ بیل کاڑھ لیں۔''

کبھی کوئی اپنا معاملہ تفصیل سے سناتا تو اس دوران بھی کوئی شغل فرماتے اور اس سنانے والے کی طرف بھی توجہ رہتی۔

بچے بہت جلد قرآن پڑھنا سیکھ جائے اس کے لئے ٹین کی دو گول پلیٹیں ہوتیں ایک تقریباً ۱۸ انچ دوسری تقریباً ۱۵ انچ۔ درمیان میں ایک سوراخ کر کے مشین اسکریو کے ذریعے جوڑا گیا تھا۔ دونوں پلیٹوں پر کاغذ کو خانے بنا کر چپکایا گیا تھا۔ پھر حروف تہجی مختلف شکلوں میں اس میں لکھے ہوئے تھے۔ اوپر کی چھوٹی پلیٹ کو ذرا سا گھمانے سے تمام خانے بدل جاتے۔ ایک حرف دوسرے حرف سے جوڑ کر پڑھنے کی مشق کی جاتی رہتی ہے، یہ بچوں کا تعلیمی کھلونا تھا۔ احقر نے مکرم میاں سلمہٗ (الحاج علامہ ڈاکٹر پروفیسر مفتی محمد مکرم احمد شاہ نقشبندی قادری چشتی سہروردی امام و خطیب شاہی مسجد جامع فتح پوری، دہلی نبیرہ و سجادہ نشین شیخ الاسلام حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ) کو دیکھا اس کھلونے سے کھیلتے اور نئے بیٹ بنا کر حضرت علیہ الرحمہ کو بار بار دکھاتے رہے۔ آٹھ دن بعد ان کو قرآن شریف شروع کرا دیا گیا تھا ورنہ بچوں کو بعض اوقات ''بغدادی قاعدہ'' یا ''یسرنا القرآن'' پڑھنے اور یاد کرنے میں سال بھر لگ جاتا ہے۔ کیسی عجیب ایجاد تھی بچے کھیل کھیل میں ہفتہ بھر میں قرآن پڑھنے کے قابل ہو جاتے کوئی بڑی عمر والا ایک دن میں سیکھ سکتا ہے۔

اسی طرح بہت سے معاملات ہیں کون یقین کرے گا۔ اگر کوئی شخص ۲۴ گھنٹہ کام کرتا رہے نہ سوئے نہ آرام کرے وہ بھی اتنا کام نہیں کر سکے گا۔ پڑھنے پر آئے تو دس ہزار ضخیم کتابیں ذاتی لائبریری میں ہیں سب پڑھ چکے۔ بعض کو بار بار پڑھا کرتے اور اس کے

علاوہ بھی نہ معلوم کتنی کتابیں پڑھیں۔ ۱۲ لاکھ فتووں کے سوالات پڑھنا سمجھنا، ایک لاکھ خطوط پڑھنا ان میں اکثر کئی کئی صفحات کے۔ پھر ان کے جوابات لکھنا۔ لاکھوں نہ سہی تو ہزارہا مریدوں کی تربیت، ہزاروں غیر مسلموں کو مسلمان کرنا، ماشاء اللہ ۱۶ بچوں کی تعلیم و تربیت، ۱۳ صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کی شادی کرنا ⓿ اور ۱۳ سمدھیانوں کو سنبھالنا اپنے ددھیال، ننھیال اور ۳ سسرالوں کے رشتہ داروں کو نبھانا۔ ہم عصر علماء و مشائخ سے تعلق قائم رکھنا۔ تقریبات میں شرکت کرنا، عبادات، ریاضات، مجاہدات، صاحبزادگان کی تعلیم کی نگرانی جب وہ مدرسہ میں داخل ہو گئے تو امتحان کی تیاری کرانا، نوٹس بنا کر دینا، صاحبزادیوں کی دینی تعلیم۔ پھر پوتیاں بڑی ہو گئیں ان کی تعلیم و تربیت کرنا، شاگردوں کو پڑھانا۔ احقر جس زمانے میں پڑھتا تھا حضرت علیہ الرحمہ کی عمر شریف ۸۰ کے لگ بھگ ہوگی۔ بظاہر محال نظر آتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ وہ ایک شخص میں اتنی خوبیاں جمع کردے۔

ولیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

⓿ دو صاحبزادے جوانی کنوارے انتقال فرما گئے ایک صاحبزادی کی شادی حضرت کے وصال کے بعد ہوئی۔
مظہری

دُنیا سے بے رغبتی

(ردی کی ٹوکری)

حضرت علیہ الرحمہ کے پاس روزانہ کافی خطوط آتے تھے۔ ان کے جواب لکھ کر یہ فارغ شدہ خطوط ردی کی ٹوکری میں ڈال دیئے جاتے تھے۔ پھر ہر جمعرات کو یہ خطوط گھر لے جا کر جلا دیئے جاتے تھے۔ ان میں بعض شادی کارڈ اور دیگر تقریبات کے دعوت نامے بھی ہوتے تھے۔ بادشاہوں کے دعوت نامے خواہ تحریری ہوں یا زبانی سب کا ٹھکانہ ردی کی ٹوکری تھا۔ لوگ جن تقریبات میں شرکت کے لئے نہ معلوم کیا کیا جتن کرتے ہیں ان کی حضرت علیہ الرحمہ کی نگاہ میں کوئی وقعت نہ تھی۔ بلکہ دنیا کی جن سرفرازیوں اور آسائشوں کی خاطر لوگ ایمان و عزت کی بازی لگا دیتے ہیں، حضرت علیہ الرحمہ ان پر نگاہ بھی نہ ڈالتے، ہاں اکثر ان سے بچنے کی کوشش فرماتے تھے۔ دنیا سے بے نیازی ہر قول و عمل سے ظاہر ہو جاتی ہے۔

ردی کی ٹوکری میں سے نکالے ہوئے چند دعوت نامے پیش ہیں۔ ان کے بارے میں جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ نے احقر کو بتایا "ایک بار ردی کی ٹوکری میں کاغذات نکال کر جلائے جانے تھے کہ میری نگاہ ایک دعوت نامے پر پڑی۔ یہ حکومت کی طرف سے تھا۔ معاً خیال آیا کہ ایسے تاریخی نوعیت کے دعوت نامے جلانے نہیں چاہئیں، پھر اس کا خیال رکھتا تھا۔" یہ سلسلہ تھوڑے عرصہ قائم رہا، پھر موصوف پاکستان تشریف لے آئے۔ نہ معلوم اس خیال کے دل میں آنے سے پہلے اس نوعیت کے کتنے

دعوت نامے جل چکے ہوں گے۔ اور بعد میں بھی جلتے رہے ہوں گے۔

ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن "ارل آف برما" کی الوداعی پارٹی میں شرکت کے دعوت نامے، جاپان کے سفارت خانہ کا دعوت نامہ، ایوان صدر کی تقریبات، صدر اول کا تقرر وغیرہ۔

جب کسی نے یاد دلایا کہ آج آپ نے ہندوستان کے پہلے صدر کی تقرری کے سلسلہ میں منعقد ہونے والی تقریب میں شرکت فرمائی ہے تو حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا:

"جس حکومت میں مسلمانوں کے ساتھ ظلم روا رکھا جائے اس کی خوشیوں میں شرکت کے لئے دل گوارہ نہیں کرتا۔"

اور آپ نے شرکت نہیں کی یہ غیرت اسلامی تھی —— افسوس تمام کھدر پوش مسلمانوں نے جمعیۃ العلماء، ہند کے مولویوں نے خوشی خوشی شرکت کی اور اس اعزاز پر نازاں تھے۔

اس طرح ۱۹۴۵ء میں جب حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ اس دور میں یہ دستور تھا بادشاہ سلامت ہر ملک کے بعض منتخب حجاج کرام کی ایک دعوت کرتے تھے۔ بڑے بڑے علماء سفارشیں تلاش کرتے تھے کہ دعوت میں شرکت ہو جائے، بادشاہ کے ساتھ ہم طعامی کا شرف مل جائے۔ حضرت علیہ الرحمہ کو ہندوستان کی عظیم المرتبت شخصیت کی حیثیت سے بلایا گیا۔ حضرت علیہ الرحمہ نے جواب دے دیا:

"جس کو دین و دنیا کے شہنشاہ کے دربار میں حضوری میسر آ جائے اسے کسی اور دربار میں جانے کی حاجت نہیں ہے۔"

اور ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست کے تاجدار نواب میر عثمان علی خاں آصف جاہ ہفتم کی یہ آرزو کہ حضرت علیہ الرحمہ ان کی خدمت میں حاضر ہو جائیں، نواب

صاحب کے دل میں رہ گئی۔ اور انہیں پتہ چل گیا کہ دین کے بادشاہ کے سامنے دنیا کے بادشاہ کی کوئی حیثیت نہیں۔ بادشاہوں کی خواہشیں حضرت کی رزی کی نوکری میں پڑی رہتی ہیں۔ اس واقعہ کا تاریخی پس منظر ہے جو مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکا ہے۔

والیٔ حیدرآباد دکن نواب میر عثمان علی خاں آصف جاہ ہفتم حضرت خواجہ نظام الدین سلطان الاولیاء قدس اللہ سرہ العزیز سے عقیدت رکھتے تھے اور زیارت و حاضری کی غرض سے دہلی آتے تھے۔ حضرت خواجہ حسن نظامی سے گہرا تعلق ہو گیا تھا۔ خواجہ صاحب علماء و فضلاء، اور خاص حضرات کو نواب سے ملواتے تھے۔ نواب صاحب بعض حضرات کے لئے وظائف جاری فرما دیتے یا خسروانہ بخشش فرما دیتے تھے۔ جب مسجد جامع شاہجہانی کے امام صاحب کے لئے ۵۰۰ روپے ماہانہ نواب صاحب نے مقرر فرمایا تو خواجہ حسن نظامی نے خواہش کی کہ حضرت علیہ الرحمہ کے لئے بھی یہ وظیفہ منظور ہو جائے تو شاہانہ انداز سے حضرت علیہ الرحمہ بسر فرمائیں گے۔ اس وقت پانچ سو روپے میں تقریباً دس تولے سونا آ جاتا تھا اتنی بڑی رقم ماہانہ بڑی بات تھی۔ خواجہ صاحب نے ڈرتے ڈرتے حضرت علیہ الرحمہ سے کہا کہ:

"نواب صاحب کو درخواست دینے کے لئے آپ سے کہنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ آپ نواب صاحب کے لئے دو چار دعائیہ جملے لکھ دیں تو ۵۰۰ روپے آپ کے لئے بھی مقرر ہو جائیں۔"

حضرت نے فرمایا "الحمد للہ! میرا گزارہ بخیر و خوبی ہو جاتا ہے مجھے ضرورت نہیں۔"

ایک روز خواجہ صاحب تشریف لائے اور عرض کیا کہ "نواب صاحب نے آپ کو مدعو کیا ہے آپ کو چلنا ہوگا" حضرت نے پوچھا "کیوں؟" تو خواجہ صاحب نے کہا: "میں وعدہ کر آیا ہوں۔" حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا "آپ سے کس نے کہا تھا کہ وعدہ کر

آئیں؟" اور حضرت علیہ الرحمہ تشریف نہیں لے گئے بلکہ فرمایا کہ "فقیر کو ملاقات کی ضرورت نہیں نواب صاحب کو ضرورت ہو تو فقیر کے غریب خانہ پر تشریف لے آئیں۔" اس واقعہ کے عینی شاہد حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب دامت برکاتہم ہیں جو اس وقت حضرت قبلہ سے عربی پڑھ رہے تھے۔

ایک بار نواب موصوف نے حضرت قبلہ کو بعض شرعی مسائل پر گفتگو کے لئے بلوایا تو قاصد سے فرمایا: "ضرورت انہیں ہے ان کو ہی آنا چاہیے۔"

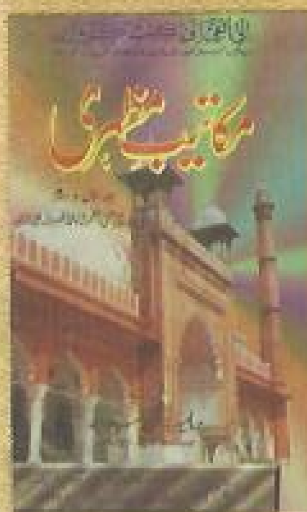
اس واقعہ کا ذکر ملا حسین واحدی نے ماہنامہ "ہمدرد" کراچی کے شمارہ مارچ ۱۹۶۶ء میں کیا ہے۔

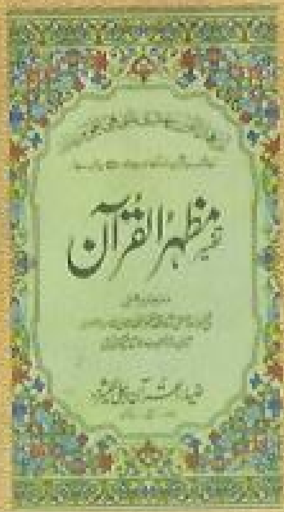
۱۹۳۶ء میں ہز ایکسیلنسی میر عثمان علی خاں آصف جاہ ہفتم نظام حیدرآباد دلی آئے تھے۔ خواجہ حسن نظامی ان سے دلی کے عمائدین کو ملوا رہے تھے۔ ایک دن خواجہ صاحب نے علماء و مشائخ کے واسطے مخصوص کیا، مفتی مظہر اللہ کے پاس بھی بلاوا گیا مفتی صاحب نے فرمایا:

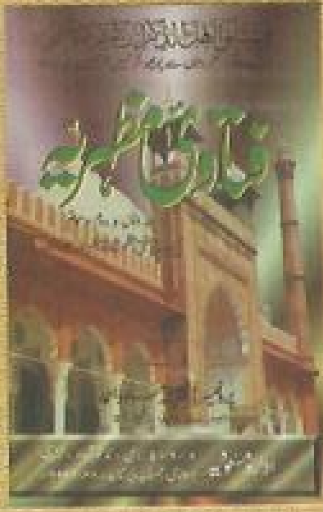
"مجھے تو ملنے کی خواہش نہیں نظام مجھ سے ملنا چاہیں تو میرے ہاں تشریف لے آئیں۔"

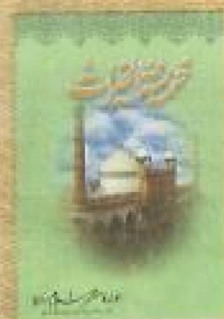
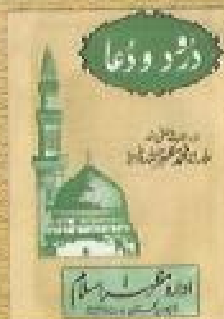
ماہنامہ "عقیدت" نئی دہلی شمارہ جولائی اگست ۱۹۶۳ء میں حضرت علامہ اخلاق حسین دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

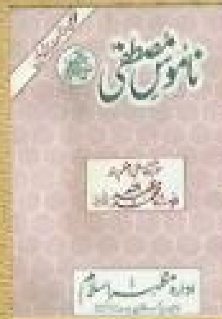
"حضرت قبلہ کے حسن اخلاق کا وصف اگرچہ عام ہے اور ہر کوئی اپنی بساط کے مطابق فیض پاتا ہے لیکن ایسا بھی ہے کہ ہر کوئی آپ کی شفقت کو اپنے لئے مخصوص سمجھتا ہے مگر جن امراء میں تمکنت کا شائبہ بھی ہو ان سے ملاقات میں خودداری کا وصف جلوہ گر رہتا ہے۔"





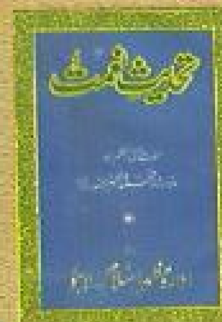









ادارہ مظہرِ اسلام، لاہور
اسلامی جمہوریہ پاکستان